بسلسلہ مطبوعات رسالہ مولوی دہلی

پارہ عم

کی آخری بیس سورتوں کی مدلل تشریح اور

تفسیر

بستہ سُوَر

قران پاک کی آخری بیس سورتوں کی تفسیر اور ترجمہ جو عام طور سے نمازوں میں پڑہی جاتی ہیں اور جن کا پڑہنا سمجھنا ہر نماز پڑہنے والے کے لئے ضروری ہے

مولفہ
حضرت مولانا شاہ عبد المجید صاحب محدث دہلوی

عبد الحمید خاں، مدیر مولوی
پانچویں بار
اپنی حمیدیہ پریس دہلی میں چھپوا کر شایع کیا قیمت ۱۲/

نماز ہو یا قرآن شریف

طوطے کی طرح رٹ لینے اور پڑھ لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا چاہے فرض پورا ہو جائے اور تلاوت قرآن شریف کا ثواب مل جائے

نماز تو اتنی مختصر اور آسان ہے کہ اس کے معنی یاد کرنے اور نماز پڑھنے وقت ان کو ذہن نشین کر لینا ذرا بھی دشوار نہیں۔ البتہ قرأت یعنی وہ آیات قرآنی جو بعد فاتحہ پڑھی جاتی ہیں۔ ان کے معانی و مطالب عام طور سے معلوم نہیں ہوتے اور وہ بے معنی سمجھے ہی پڑھے جاتے ہیں۔ اس قرأت میں علی العموم پارہ عم کی آخری چھوٹی سورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اگر ان کے معانی و مطالب پر بھی عبور ہو اور نمازی سمجھ کر دھیان سے پڑھے تو نماز کتنی پر کیف ہو جائے

قرآن شریف کی چھوٹی سے چھوٹی آیت پڑھنے کا لطف جب ہے جب اس کی شان نزول معلوم ہو۔ اس کی تشریحات سے آگاہ ہو اور یہ بھی کہ اس کو سنکر اور پڑھ کر اس وقت کے ان پڑھ عربوں نے کیا اثر قبول کیا۔

ہمارے دماغوں اور ذہنوں کی صلاحیتیں تو اس وقت سے اب زیادہ ہیں کیونکہ علم و تہذیب کا زیادہ چرچا ہے اور ہم آیات قرآنی سے بہترین اثر قبول کر سکتے ہیں لیکن یہ جب ہی تو ممکن ہے کہ جب ہم آیات کے معانی و مطالب سے کما حقہ باخبر ہوں۔ ان سورتوں کی تفسیر الگ اسی واسطے شائع کی ہے کہ ہر نمازی کم از کم ان حقایق آیات قرآنی سے تو ضرور واقف ہو جائے جو وہ پانچوں وقت نماز میں پڑھتا ہے۔ خدا کرے میری یہ محنت رائگان نہ جائے۔

عبدالمجید مدیر مولوی دہلی

تفسیر لبت ۲۰ سورہ

سُورۃ العلق لبت بمکہ وصدرھا مالم یعلم اول ما نزل من القرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
اقرا باسم ربک الذی خلق ۔ خلق الانسان من علق ۔	(اے محمدؐ) پڑھ یہ برکت اپنے رب کے نام کے جس نے (تمام عالم) پیدا کیا خون کی پھٹکی سے آدمی پیدا کیا
اقرا وربک الاکرم ۔ الذی علم بالقلم ۔ علم الانسان مالم یعلم ۔ کلا ان الانسان لیطغیٰ ۔ ان راہ استغنیٰ ۔	پڑھ تیرا رب بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ تو علم سکھایا پھر انسان کو وہ علوم سکھائے جن سے وہ انجان تھا۔ بات یہ ہے کہ آدمی اپنے لپے سے گذر جاتا ہے اس لئے کہ آپ کو تونگر سمجھنے لگتا ہے
ان الیٰ ربک الرجعیٰ ۔ ارءیت الذی ینھیٰ عبدا	ان سب کو تمہارے رب کے پاس پلٹ کر حاضر ہونا ہے بتاؤ تو تم نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جب ہمارا بندہ نماز پڑھتا

اِذَا صَلّٰى ؕ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰىٓ ۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

ہے تو وہ اس کو منع کرتا ہے۔ بھلا دیکھو تو
اگر یہ شخص راہ پر ہوتا تو پرہیزگاری سکھاتا
(تو کیا اچھا ہوتا)
بھلا دیکھو تو اگر اس نے حق کو جھٹلایا
اور لوٹ گیا (تو کیا ہوا) کیا جانتا نہیں
کہ اللہ ہر حال میں اس کو دیکھتا ہے
یاد رہے کہ اگر یہ شخص باز نہ آیا تو
ہم اس کو چوٹی پکڑ کے اس کو پیشانی
کے بل گھسیٹیں گے
ایسی پیشانی جو جھوٹی خطاوار ہی
پھر اب پکارے اپنی مجلس کے یاروں
کو۔ ہم بلاتے ہیں دوزخ کے برق اندازوں
کو۔ تم ان کا کہنا کبھی نہ ماننا بے دھڑک
نماز پڑھو۔ اور خدا سے قرب حاصل
کرو۔

تفسیر۔ یہ سورت بالاتفاق علما صحابہ مکہ میں اتری اسکی انیس آیتیں ہیں بہتر کلمے
اور ایک سو اسی حروف ہیں۔ اور اس کو سورہ علق اور سورہ قلم بھی کہتے ہیں اس سورہ میں
مذکور ہے کہ آدمی کو علقہ یعنی خون کی پھٹکی سے بنایا ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے اس بات
کا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جس ذلیل چیز کو چاہے عزت دیدے جس طرح ایک قطرہ منی اور
لہو کی پھٹکی سے انسان کو بنایا۔ اور اس کو اپنی رحمت سے ایسے ایسے اعزاز بخشے کہ فرشتوں
سے بڑھا دیا۔ اس کو قرآن سکھایا۔ اپنے اسراروں سے واقفیت کی عزت بخشی۔ وحی بھی

الہام کیا۔ طرح طرح کے علوم سے سرفراز کیا۔ الرحمن علم القران خلق الانسان علمہ البیان) رب سے اول قرآن کی یہی آیات متبرکات نازل ہوئیں امام احمد نے اپنے مسند میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ اول اللہ تعالے نے رسول پاک کو سچے خواب دکھلانے شروع کئے۔ جو بات آپ خواب میں دیکھتے وہی بیداری میں ظاہر ہو جاتی پھر آپ کو شوق ہوا تنہائی کا۔ آپ غار حرا میں جاکر تنہا اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتے یہ تنہائی کبھی ایک ماہ تک بھی ہوتی تھی۔ اسی تنہائی میں حضرت جبریل یہ آیتیں لے کر آپ کے پاس آئے۔ اور آپ سے کہا پڑھو۔ آپ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا جبریل نے آپ کو گلے لگا کر پھر کہا پڑھو آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ انہوں نے دوبارہ آپ کو گلے لگایا۔ اور کہا پڑھو آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ حضرت جبریل نے پھر تیسری مرتبہ گلے لگا کر ایسا دبایا۔ کہ آپ فرماتے ہیں میں پسینے پسینے ہو گیا اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ بس یہ پانچوں باتیں آپ کے ذہن میں بیٹھ گئیں اور آپ کو خوب یاد ہو گئیں۔

(ف) اس میں تنبیہ ہے اس پر کہ خدا کو یہ قدرت ہے کہ انسان کو ایسی ذلیل چیز سے پیدا کرے اور اس کو حیات اور کمالات عطا فرمائے وہ تعلیم قرأت اور دیگر علوم سکھانے پر بھی قادر ہے۔

حضور اقدس پر اس واقعہ سے ایسی حالت طاری ہوئی کہ آپ کانپتے ہوئے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجۃ الکبری رض سے فرمایا مجھ پر کچھ کپڑا ڈالدو اور سارا ماجرا ذکر کیا۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو مسیحی مذہب کے عالم تھے اور عبرانی زبان جانتے تھے اور صحف انبیاء اور کتب سماویہ سابقہ سے واقف تھے۔ انہوں نے یہ سارا حال سنکر فرمایا مبارک ہو یہ

ناموس اکبر تھے جن کو جبریل کہتے ہیں پیغمبروں پر وحی لاتے ہیں، یہ نہایت خوشی کی بات ہے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا کہ آپ کی قوم آپ سے مخالفت کریگی۔ تو میں آپ کی ہر طرح مدد کر کے دارین کی سعادت حاصل کرونگا۔ مگر ورقہ نے تھوڑی ہی مدت میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی حضرت نے انہیں سفید لباس پہنے ہوئے خواب میں دیکھا اور فرمایا اللہ نے ان کو بخش دیا۔

حضرت جبریلؑ نے جو حضور کو گلے لگایا یہ ایک قسم کی توجہ اتحادی تھی۔ کیونکہ اصطلاح اہل طریقت میں توجہ کی چار قسمیں ہیں۔ جس سے کاملوں کی تاثیر دوسروں میں اثر پیدا کرتی ہے۔ اول انعکاسی۔ دوسری القائی تیسری اصلاحی اور چوتھی اتحادی

توجہ انعکاسی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خوب عطر لگا کر آئے تو دوسروں کو بھی اس کی خوشبو سے فائدہ پہنچے۔ مگر تھوڑی دیر جب تک پاس بیٹھا رہے جب جدا ہو کچھہ نہیں۔

توجہ القائی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص چراغ میں بتی اور تیل لے کر آیا دوسرے کے پاس دیا سلائی تھی اس نے روشن کر دیا، یہ دوسری قسم کی توجہ پہلی قسم کی توجہ سے قوی ہے۔ مگر جب کوئی صدمہ پہنچا تو جاتی رہتی ہے جیسا ہوا یا بارش

توجہ اصلاحی کی مثال ایسی ہے۔ جیسے پانی کو دریا یا کنوئیں سے کسی خزانہ میں جمع کریں پھر خزانہ کی راہ کو حوض کے فوارے تک کوڑے کرکٹ سے صاف کر دیں، پھر پانی کو زور سے اس میں چھوڑ دیں تاکہ فوارہ خوب جوش و خروش سے اس میں چھوٹنے لگے یہ قسم ان دونو قسموں سے زیادہ قوی ہے۔ لیکن خزانہ کی استعداد اور راہ مسافت کے موافق اس میں فیض ہوتا ہے نہ کنوئیں اور دریا کے موافق، پھر بھی اگر خزانہ یا راہ میں کوئی فتور واقع ہو جائے تو نقصان پڑ جاتا ہے

توجہ اتحادی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دریا کو کاٹ کر دوسری طرف

ہو جائے جس طرح بڑی بڑی نہریں دریا کو کاٹ کر لاتے ہیں۔ اس میں شیخ اپنی روح کامل کو طالب کی روح سے اس طرح ملا دیتا ہے۔ کہ شیخ کی روح کا کمال طالب کی روح میں پورا پورا اثر کرجاتا ہے اور یہ قسم توجہ کی سب سے زیادہ قوی اور پائدار ہے کیونکہ دو نوروحوں کے اتحاد سے جو کمالات شیخ کی روح میں ہوتے ہیں وہ طالب کی روح میں سما جاتے ہیں اور بار بار فائدہ لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر اس قسم کی تاثیر اولیاء اللہ میں بہت کم پائی گئی ہے۔ پس اصطلاح اہل طریقت کے موافق حضرت صلعم کو جبرئیل نے جو گلے لگا کر خوب دبوچا۔ اس سے تاثیر اتحادی مراد تھی۔ کہ اپنی روح لطیف کو بدن کے مساموں کی راہ سے حضور کے بدن میں داخل کر کے آپ کی روح مبارک سے ملادی۔ پس اس اتحاد سے ایک عجیب حالت ملکیت اور بشریت کے درمیان میں پیدا ہو گئی جس حالت کو بیکر قالب میں لا کر بیان کرنا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور کیونکر بیان ہو سکے یہ ایک روحانی کیفیت ہے جس کا لطف اہل دل کا دل اٹھاتا ہے۔ مگر اس طرح بیان نہیں ہو سکتا کہ دل کے اندھوں کو بغیر دیکھے وہ لطف آ جائے۔ مثلاً رنگوں کے اختلاف سے جو ایک بینا آدمی لطف اٹھا سکتا ہے وہ مادر زاد اندھے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ ع ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی۔

اقرا باسم ربك الذی پڑھ اپنے اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے۔ اپنے پروردگار کا کلام۔ اس لئے کہ بغیر اللہ کی مدد کے اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم آدمی پڑھ نہیں سکتا۔ اور جو جو فائدے اور برکتیں اور ہدایتیں اور فیضان اور انوار اس کلام کے پڑھنے سے حاصل ہونے چاہئیں وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اگر تجھ کو یہ شبہ گذرے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم اور ازلی ہے اور پڑھنے والا اور پڑھنا حادث ہیں کس طرح پڑھ سکیں گا۔ تو اس کی اس صفت کو خیال کر الذی خلق جس نے پیدا کیا بنایا ہر چیز کو اس خدا نے جس نے ہر چیز کو ناچیز سے چیز کیا۔ کیا تعجب ہے کلام قدیم

کر حرفوں کے قالب میں لاکر اول تیرے خیال میں ڈالدے بعد میں تیری زبان پر جاری
کردے کیونکہ پیدایش ہر چیز کی اس طرح ہے کہ اسمار قدیم کو صور حادثہ میں ظاہر کیا ہے اور
اگر تیرے دل میں یہ خیال گذرے کہ کلام الہی قدیم بنہایت عزت والا ہے اور آدمی غایت درجہ
کا ذلیل ۔ ایسی عزیز چیز ذلیل مقام میں کیونکر اتر سکتی ہے تو تو اپنے پروردگار کی اس
صفت پر غور کر خلق الانسان انسان کو پیدا کیا ۔ اور ایسی عزت دی کہ اس کو مہبط
اسرار الہی کیا اور اس کے جسم کثیف کو روح لطیف سے اس طرح ربط دیا اور ملایا کہ روح
کی لطافتیں اپنے ٹھکانے ہیں اور جسم کی کثافتیں اپنی جگہ حالانکہ دونو کو ایک ہی چیز سے
بنایا ہے من علق جمے ہوئے خون کی پھٹکی سے جو خون حکم شریعت سے بھی نجس ہے اور
قاعدہ حکمت سے ذلیل ہے پہر ایسی قدرت والے سے کیوں تعجب کیا جائے کہ وہ اپنے پاک
اور قدیم کلام کو حادث الفاظ کے ساتھ جمع کرکے اور ترتیب دے کے حیالیہ قوتوں اور
بولنے ہلنے آلات واسباب پر القا کرے ۔ اور پھر بھی وہ کلام پاک جیسا ہے ویسا ہی
قدیم و لطیف اور پاک وستھرا رہے اور اس میں کسی قسم کا تغیر نہ آئے ۔

آدمی کی پیدایش جمے ہوے لہو سے توالد کی صورت میں ظاہر ہے کہ جب نطفہ ماں
کے پیٹ میں ٹھہرتا ہے تو قوت جاذبہ کے زور سے جو اس کو عنایت ہوئی ہے بہت سا لہو
ماں کے بدن سے اپنی طرف کھینچتا ہے اور جس طرح دہی کا جامن دودھ جاکر دہی کردیتا ہے
اسی طرح اپنے جمانے والی قوت سے اس لہو کو جما دیتا ہے یہانتک کہ رفتہ رفتہ اس میں
صورت گوشت و پوست و ہڈیوں کی ظاہر ہوکر اعضائے جسمانی کا نمو شروع ہو جاتا ہے

پس پیدا ہونا علق سے ان معنوں میں ہے کہ انسان کے اعضائے غذا میں سے
اس چیز کا بدلہ ہیں جو ان میں تحلیل وفنا ہوتی رہتی ۔ اور غذا ہضم کے مرتبوں کو طے
کرنے کے بعد جما ہوا لہو بنکے اعضا کی صورت بن جاتی ہے ۔ بلکہ توالد کی صورت میں بھی
ماں کے پیٹ سے جدا ہونے کے بعد اسی طرح سے انسان کی صورت واقع ہوتی ہے اسی واسطے

انسان کی اصلوں میں سے علق کو اس جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ کہ یہ مادہ ہر وقت اسی صورت سے درکار ہوتا ہے اور بقا میں درکار نہیں ہوتا۔

آنحضرت کو ایک خطرہ یہ بھی گزرتا تھا۔ کہ میں امی ہوں۔ مجھ کو حصول علم کا طریقہ کیونکر حاصل ہوگا خصوصاً وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے اور اس کے کلام قدسی سے اور اس کے ہر روز کے احکام سے متعلق ہو اس واسطے ایک اور رقعہ ارشاد فرمایا جاتا ہے جس سے علم غیبی کے حاصل ہونے کا طریقہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے اقراء وربك الاكرم پڑھ تیرا پروردگار بڑا کریم ہے یعنی بہت بڑا اور بہت ہی زیادہ کرم کرنے والا ہے۔ امی کو علما پر علوم دے کر بڑھا دینا اور جاہل کو عالم بنا دینا۔ نادان کو داناوں سے زیادہ دانائی عطا فرما دینا اس کو بہت ہی آسان ہے کیونکہ امی کو بھی بات علم سے مانع ہے کہ علم حاصل کرنے کے اسباب نہیں رکھتا سو اس نسبت کے موانع بہ نسبت بعض علموں کے ہر وقت ہوتے ہیں۔ مگر باوجود ان موانعوں کے اللہ تعالیٰ ان علوم کو بعض مخلوقات کے واسطے سے پہنچا دیتا ہے چنانچہ فرمایا الذی علم بالقلم وہ ایسا پروردگار ہے جو قلم کے ذریعہ آدمیوں کو علم سکھاتا ہے۔ یعنی وہ حالات جو حواس اور عقل اور خبر سے بوجہ بعد مکانی وزمانی دریافت نہیں ہو سکتے وہ قلم کے ذریعہ دریافت ہو جاتے ہیں جیسے اگلی امتوں اور بادشاہوں اور پیغمبروں کے حالات اور دور و دراز ولایتوں اور شہروں کی کیفیت یا زمین اور پہاڑوں اور دریاؤں کے حالات جو علم جغرافیہ سے متعلق ہیں یہ سب حالات قلم کے ذریعہ لکھے ہوئے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور غور کرو تو سلطنت اور آبادی ملک اور انتظام عالم اور ہر قسم کی تجارت اور ریل اور جہاز رانی سب کی چکی قلم ہی کے انجن سے چل رہی ہے۔ قلم ہی کے ذریعہ سے پہلوں کے حالات وکمالات علوم پچھلوں کو معلوم ہوتے ہیں اگر یہ ذریعہ نہ ہوتا۔ تو پچھلوں کے حالات اگلوں کو کچھ بھی معلوم نہ ہوتے نہ دور دراز ملکوں کے لوگوں کے حالات پر آگہی ہوتی تو دنیا کے کام چلنے نہ دیں گے، ہر قسم کے علوم کا قلم ہی صیاد ہے۔ حضرت قتادہ رضؓ کا قول ہے لولا قلم لما قام الدین وصلح العیش اگر قلم نہ ہوتا

تو دین ہی قایم نہ رہتا۔ اور زندگی ہی درست نہ رہتی اور جو صورت تعلیم کی قلم کے وسیلہ سے ہے کہ اول ذہن میں معنی ہوتے ہیں اور بعد اس کے خیال میں الفاظ کا لباس پہنتے ہیں پھر قلم کے ذریعہ وہ الفاظ نقوش خطیہ کی صورت پر ظہور کرتے ہیں بعد اس کے ہر خط کا پڑھنے والا اس کو دریافت کر سکتا ہے یہ صورت بہت ہی مشابہ ہے وحی سے اور قرآن مجید کے نازل ہونے سے کیونکہ اول کلام قدسی نے لوح محفوظ میں نقشوں کی صورت پکڑی اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ وہ الفاظ حضورؐ کے صفحہ خیال میں منتقل ہوئے۔ پھر حضور کی زبان مبارک سے ہر خاص و عام کو پہنچے۔ پس اس نعمت قلم کا ذکر موقع اثبات امکان وحی میں بیان کرنا بہت ہی مناسب تھا۔ کہ جس طرح وہ علوم جو کسب بشر کی قوت سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قلم کے ذریعہ سے ان کو اپنی مخلوق کو پہنچا دیا۔ اسی طرح جن معلومات کا حاصل ہونا بغیر وحی کے ممکن نہ تھا۔ ان کو وحی کے ذریعہ سے پہنچا دیا۔ چنانچہ فرمایا علم الانسان مالم یعلم۔ وحی کے ذریعہ سے سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔

علم حاصل کرنے کے اسباب آدمی میں تین ہیں۔ اول حواس صحیح سالم۔ ظاہر اور باطن کے کہ ان کے سبب سے جو کچھ اپنے میں یا اپنے پاس ہوتا ہے معلوم کر لیتا ہے جیسے بھوک پیاس۔ خوشی، غصہ خوف، رنگ، بو، مزہ آواز سردی، گرمی اور اس کے سوا بہت سی چیزیں ہیں۔ دوسری عقل کہ اس کے ذریعہ غائب چیزوں کو جو حواس ظاہری اور باطنی سے معلوم کر لیتا ہے اور طریقہ ادراک عقل تین قسم کی ہے جب چیز کا دریافت کرنا منظور ہوتا ہے تو اس کے سبب کو جو اس سے دریافت کرتا ہے اور اس کے لئے برہان لمی کو ترتیب دیتا ہے مثلاً کسی کے گھر میں دھواں ہو تو اس کے گھر میں آگ جلنا معلوم کرتا ہے اس سبب سے کہ آگ دھوئیں کا سبب ہے اور کوئی سبب بدون مسبب کے نہیں ہوتا۔ یا اس کے سبب کو معلوم کر کے اس کے ہونے پر حکم کرتا ہے۔ مثلاً جس گھر میں آگ ہے تو دھواں بھی ضرور ہو گا۔ اور ترکیب دلیل انی کی قایم کرتا ہے۔ مثلاً دھوئیں کو دور سے دیکھ کر دریافت کیا۔ کہ یہاں آگ بھی ضرور

ہوگی۔ کیونکہ بغیر آگ کے دھوئیں کا ہونا محال ہے۔ یا ایک سبب سے دوسرے سبب کو دریافت کرے گا۔ اور اس برہان کو اِن اور لم سے مرکب کرکے درست کرے گا کیونکہ جس طرح وجود سبب سے مسبب کو اور مسبب سے سبب کو دریافت کرتا ہے اسی طرح وجود ایک سبب کا دوسرے سبب کے وجود کا باعث ہے کیونکہ دھواں بغیر آگ کے نہیں ہوتا۔ تو دھوئیں کے سبب آگ کے وجود کو دریافت کیا۔ اور آگ کی وجہ سے گرمی کا ہونا دریافت کرکے معلوم کر لیا یہ مکان گرم ہوگا لیکن ان دونوں سببوں میں یہ قصور ہے کہ ہر شخص کے حواس ہر چیز کو نہیں پہنچتے اور عقل بھی مختلف اور متفاوت ہے۔ یعنی ہر شخص کی عقل برابر نہیں ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ جب سبب اور مسبب عقل کی نظر سے غائب ہوتے ہیں تو ان کا دریافت کرنا ناممکن ہوتا ہے اس واسطے ایک اور سبب بھی اس کے دریافت کرنے کا دیا ہے اور یہ تیسرا طریقہ سچی خبر ہے کہ اپنے جنس کے لوگوں کی دیکھی ہوئی اور دریافت کی ہوئی بات کا یقین کرے اور اپنے مطلبوں کو دریافت کرنے کے کام میں لائے چونکہ وہ خبر دینے والا اسی کا بنی نوع ہے اور وہ بھی اسی طرح حواس اور عقل کے دام میں گرفتار اور مقید ہے تو جو چیزیں اسکی نوع کے حواس اور عقل کی حد سے بلند ہیں۔ اور انسان کے دریافت کے احاطے سے باہر ہیں۔ ان کو بذریعہ وحی کے تعلیم فرمایا۔ اور الہام اور کشف اور خبر دینا۔ اور الہام کا دریافت کرنا بعض مغائب کا کہ عارفوں اور اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے یہ سب انبیاء علیہم السلام کی پیروی اور اقتداء اور ان کے روح کے وسیلہ اور طفیل سے حاصل ہوتا ہے کلا یہ لفظ عرب کی بولی میں خفگی اور جھڑکنے کے واسطے آتا ہے اسواسطے نصف قرآن تک یہ لفظ قرآن مجید میں موجود نہیں ہے خصوصاً پچھلے پاروں میں زیادہ آیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب آدھا قرآن نازل ہو چکا اور پھر بھی انکار اور ہٹ کرتے رہے تو جھڑکنے کے قابل ہو گئے۔

یہاں ایک بات اور بھی قابل بیان ہے کہ بعد اس لفظ کے ایک کلام چاہیئے۔ کہ جس کی

کی طرف توجہ و توبیخ ہو۔ اور یہاں کسی ایسے کلام کا ذکر نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ کلام ایک شبہہ مقدر کے لئے ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت اکرم ہے یعنی بڑا کرم کرنے والا اور انسان کو بھی اس نے اس قدر عزیز اور کرم کیا ہے کہ مسجود ملائک کیا۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو ایسے فقر و احتیاج کے جال میں پھانس رکھا ہے کہ اپنے کھانے میں بونے چننے کاٹنے بنانے کا پھر چکی اور آگ کا پھر اپنی بیماری میں حکیم کا دوا کا عطار جراح کا فصاد کا کجال کا محتاج ہے۔ پھر لباس اور پوشاک کا۔ گھربار کا۔ چلنے پھرنے میں سواری کا محتاج ہے۔ اسی طرح دوسری بہت سی چیزوں کا اس قدر محتاج ہے کہ دوسری مخلوقات مثل حیوانات وغیرہ اس کے عشر عشیر بھی ان چیزوں کا محتاج نہیں ہیں تو اس اعزاز و اکرام کی صورت میں جو انسان پر ہیں یا تو ملائکہ مقربین کی طرح اس کو بھی بے احتیاج بنایا ہوتا۔ اور اگر دوسری مخلوقات میں تصرف کرنے کے واسطے انسان کو ان چیزوں کی احتیاج دی تھی تو بہت سامان اور خزانے دیدیئے ہوتے۔ کہ اپنی احتیاجوں کے لئے دوسروں کے سامنے ذلیل تو نہ ہوتا۔

تو اس شبہ کو دور کرنے کے واسطے اس جگہ یہ لفظ کلّا کا استعمال ہوا ہے۔ کہ یہ بات نہیں ہے جو تم خیال کرتے ہو کہ آدمی کا فقیر یا محتاج ہونا ہے اس کے کرم و فضل کے خلاف ہے بلکہ اس کی محتاجی اور فقر کا سبب دوسرا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی تحقیق آدمی اپنی حد سے گذر جاتا ہے، اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے، سر چڑھتا ہے سرکشی و نافرمانی کرتا ہے اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی جب اپنے تئیں مال و جاہ سے بے پرواہ دیکھتا ہے اور تندرستی و قوت سے اور جو دوسرے اسباب بے نیازی اور بے پروائی کے ہیں اس کو حاصل ہو جاتے ہیں تو اس کے خیالات بدل جاتے ہیں۔ اگر آدمی کو ان چیزوں کا محتاج نہ بناتے تو اسکی نافرمانی حد سے گذر جاتی۔ اور پھر اس کی اصلاح مشکل ہو جاتی اس واسطے یہ فقر و احتیاج انسان کے واسطے اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے۔ ہر طرح کی ضرورتوں اور احتیاج میں اسکو

گرفتار کرکے سرکشی اور نافرمانی سے روک رکھا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ یوں فرمایا ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض۔ اگر اللہ تعالیٰ رزق کے سببوں کو اپنے بندوں پر فراخ اور کشادہ کر دیتا۔ تو اپنے آپ سے باہر ہو جاتے حد و اندازہ سے نکل جاتے۔ ملک میں فساد مچاتے مگر آدمی کو اس قسم کی آزادی کا خیال اس کی سراسر غلطی ہے۔ کیونکہ انسان کو کسی حالت میں اپنے پروردگار سے بے پروائی حاصل نہیں۔ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی ضرور آدمی کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر پھر جانا ہے۔ انسان کی یہ بڑی سرکشی اور بغاوت ہے۔ کہ اپنے آپ کو بے پرواہ اور بے نیاز سمجھے۔ آدمی کسی حال میں بھی خدا سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ فرض کرو کہ کسی آدمی کو مرغوب کھانا میسر آگیا اور اس نے سمجھ لیا۔ کہ آج کے روز مجھے بھوک سے بے پروائی حاصل ہو گئی۔ مگر غور کرے تو کھانے اور چبانے کی قوت کون دیگا۔ اور یہ کھانے کے قے ہو جانے سے کون روک سکتا ہے پھر ہضم کی قوت کون دیتا ہے اور بعد ہضم کے تمام اعضا میں غذا کو کون تقسیم کرتا ہے اور غذا کے فضلات کو پیشاب پاخانے کی راہ سے کون دور کرتا ہے اور غذا کو اس بات سے کون بچاتا ہے کہ زہر ہو کر بدن کو خراب نہ کر دے یا بدہضمی سے دوسرے فسادات بدن میں پیدا نہ ہو جائیں اور اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ باوجود تونگری اور حاصل ہونے نعمت کے آدمی انکی طرف محتاج ہے اور بعد مرنے کے تو ضرور ہی آخرت کی طرف پھر جانا ہے اور پھر سرکشی اور نافرمانی کی وجہ بھی پوچھی جائے گی۔ اور اس سرکشی کی سزا بھی دی جائے گی اس وقت کی محتاجی کو تو کوئی انتہا نہیں ہے بہر صورت آدمی ہر حال میں محتاج ہے بلکہ تونگر کو نقیر سے زیادہ احتیاجیں لاحق رہتی ہیں ؎ آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند۔ اور احتیاجیں ہر طرح کی اسی واسطے لگادی گئی ہیں کہ بے احتیاجی کی حالت میں زیادہ سرکشی اور نافرمانی کرتا ہے اور اپنے منعم حقیقی کے انعام سے غافل ہو کر نعمت ہی کے دیکھنے میں پھنسا رہتا ہے۔ اب یہاں تمثیل کے طور پر ایک سرکش کا حال بھی بیان فرمایا ہے

تاکہ ہر شخص سرکشی کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو جائے اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی کیا تو نے دیکھا ہے اس شخص کو جو منع کرتا ہے اور روکتا ہے ہمارے بندے کو نماز پڑھنے سے۔ یہ ابو جہل کا ذکر ہے۔ جو حضور سے کہتا تھا۔ کہ اگر میں حرم کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھونگا تو گردن جدا کر دونگا۔ یہ آیت اگرچہ ابو جہل کے حق میں اتری ہے مگر اب بھی اگر کوئی شخص کسی کو نماز سے روکے اس کے لئے بجا یہی وعید ہے وہ بھی ابو جہل کا ساتھی ہوگا۔ اور جب بے پروائی اور سرکشی کا حال بیان فرما چکے۔ تو اس علت کا علاج بھی ارشاد ہوتا ہے۔ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓی اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی۔ کیا تو نے دیکھا۔ اگر یہ سرکش نافرمان خود بھی ہدایت پر ہوتا۔ اور اپنے گروہ کے لوگوں کو بھی پرہیزگاری اور صلاحیت کا حکم کرتا۔ تو اس سرکشی کا علاج تھا۔ مگر اس نے تو برعکس اس کے راہ شقاوت کی۔ اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی کیا تو نے دیکھا اس سرکش کی سرکشی کو۔ کہ جھٹلایا اور منہ موڑ لیا اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی کیا یہ مغرور و سرکش نہیں جانتا کہ اللہ اس کے افعال و حال کو دیکھتا ہے۔ دیکھتا بھی ایسے کا جو انتقام اور بدلہ لینے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ابو جہل نے حضور سے کہا۔ کہ کیا تو مجھے اپنے خدا سے ڈراتا ہے۔ میں بھی اپنے گروہ سے کہدوں تو تیری بوٹی بوٹی کردیں۔ بھلا اب تو حرم میں تجھ کو سجدہ کرتے دیکھوں تو سر ہی کچل دونگا۔ چونکہ یہ مالدار بھی تھا۔ اور اس کی شراب و کباب کی مجلس میں بہت سے لفنگے شہدے جمع ہوتے تھے اور بدمعاش و فساق و فجار کی بہت بڑی جماعت اس کے ساتھ تھی۔ از راہ بشریت حضور کو بھی اس کا خیال ہوا۔ اللہ تعالےٰ بطور پیشگوئی کے آپ کو مطلع فرمایا۔ کَلَّا ہرگز ایسا نہ ہوگا کہ وہ تم کو ستا سکے۔ بلکہ یہ بھی نہ ہوگا۔ کہ اس کو بغیر سزا چھوڑ دیا جائے۔ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ۔ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ۔ اگر یہ سرکش اس گستاخی سے باز نہ آیا۔ تو ضرور ہم اس کی چوٹی پکڑ کے پیشانی کے بل گھسیٹیں گے۔ جس سے دنیا میں بھی اس کی انتہا درجہ

ذلت وخواری ہوگی اور آخر دوزخ میں بھی اسے پیشانی کے بل گھسیٹا جائے گا۔ جو پیشانی جھوٹی اور خطا کار ہے، خاطی اس شخص کو کہتے ہیں جو ارادہ کرکے گناہ کرے اُس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی ہے غِسلین لا یاکلہٗ الا الخاطئون۔ یعنی بالارادہ گناہ کرنے والوں کی خوراک دوزخیوں کے زخموں کی پیپ اور کچ لہو ہے اور مخطی اس کو کہتے ہیں جس سے نادانستہ گناہ ہو جائے اس کی معافی کی امید ہے اور طلب معافی کے لئے اجازت دی گئی ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا یعنی اے ہمارے رب ہم کو ہماری بھول چوک پر مت پکڑ۔

جب ان آیتوں کے نزول کی خبر ابوجہل کو ہوئی تو اس نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو اس میدان کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ گر محمد اور ان کے گروہ کو تو میری مجلس کے بیٹھنے اٹھنے والے یار ہی کافی ہیں۔ اگر ان کو ذرا سا اشارہ کر دوں تو رب کو خاک میں ملا دیں۔ اس مغرور و متکبر کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ہم کو تو جو کچھ تیرے ساتھ کرنا ہے علی الاعلان کہہ دیا۔ اب اگر تجھ کو اپنے حمائتیوں کا گھمنڈ ہے تو اچھا فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ بلالے اپنے مجلس کے لوگوں کو، وہ ہمارے ارادہ کو روک تو دیں۔ مگر یہ یاد رکھئے اگر تمام دنیا بھی ایک طرف ہو جائے تو اس کی ذلت وخواری کی موت کو ہٹا نہ سکیں گے۔ اور دوزخ کے پیادوں سے تو کیا چھڑا سکتے ہیں۔ اور یہ معاملہ کچھ دور نہیں۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ابھی بلاتے ہیں ہم دوزخ کے برقندازوں کو کہ وہ اس متکبر و مغرور کی خبر لیں اور جس پیشانی پر حق سے ناخوش ہو کر بل ڈالتا تھا۔ اور اہل حق سے تیوری چڑھائے رہتا تھا، اسی کے بل دوزخ میں اس کو گھسیٹیں گے کَلَّا ہرگز یوں نہ ہوگا جو وہ خیال کرتا ہے۔ اے ہمارے حبیب ہرگز ہرگز لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اس مغرور و متکبر لاف زن بیہودہ گو کے کہنے کی طرف کچھ بھی توجہ نہ کرو بلا خوف وخطر اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہو کر اس کو سجدہ کرو، قرب حاصل کرو۔ کیونکہ بندہ اپنے رب سے

سجدہ میں بہت قریب ہوتا ہے بقول مسلم سب حالتوں سے زیادہ نزدیک بندہ اپنے رب سے سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے اس واسطے تم سجدہ میں بہت دعا کیا کرو، روایت کی یہ حدیث مسلم نے،

بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں محمدؐ کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھنے لگا تو انہیں پامال کر دونگا حضور کو بھی یہ خبر پہنچی حضور نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو فرشتے اس کو پکڑ لیں گے اس حدیث کو ترمذی، نسائی ابن جریر نے روایت کیا ہے، مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ابو جہل نے کہا کیا محمدؐ اپنی پیشانی کو خاک پر ملتے ہیں۔ اگر میں ان کو اس حال میں دیکھنے لگا تو وہیں پامال کر دونگا اور اس پر لات و عزیٰ کی قسم کھائی، پھر ایک دن حضرت نماز پڑھ رہے تھے اور ابو جہل نے دیکھا۔ اور چاہا کہ حضور کے ساتھ کچھ گستاخی کرے کہ اتنے میں خود بخود الٹے پاؤں پھرنے لگا۔ اور دونو ہاتھوں سے اپنے کو بچاتا تھا۔ لوگ پوچھنے لگے کہ کیوں کیا ہوا کہا میں نے دیکھا کہ میرے اور محمدؐ کے بیچ میں ایک خندق ہے آگ کی۔ اور پروں کا سا اشارہ مجھے معلوم ہوا حضرت نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آتا تو فرشتے اس کا جوڑ جوڑ الگ کر دیتے۔ اس حدیث کو امام احمد۔ اور ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ واللہ اگر وہ ذرا بھی آگے بڑھتا۔ تو فرشتے اس کو اس حالت میں پکڑتے۔ کہ لوگ دیکھ لیتے، یہ روایت بہت کتابوں میں کئی راویوں سے آئی ہے۔

اب چند نکتے منجملہ ان نکات کے جو اس سورت میں مفسرین نے بیان کئے ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔ نسفع کہتے ہیں شد ید جاریے کو جس کے معنی سختی سے گھسیٹنا ہوئے یہ پیشگوئی قرآن مجید کی پوری ہوئی جس کو دوست دشمن سب نے دیکھ لیا تو آخرت میں بھی ضرور پوری ہوگی۔ ابو جہل اس امت کا فرعون تھا۔ مگر اسکی فرعونیت موسیٰؑ

فرعون سے بڑھی ہوئی تھی وہ مرنے کے وقت کسی قدر جھک گیا تھا۔ اور تھوڑا تکبر اس کا مرنے کے وقت
کم ہو گیا تھا۔ اور کہنے لگا تھا۔ لا الٰه الا الذی اٰمنت به بنوا اسرائیل مگر ابوجہل نے
مرتے وقت کہا کہ لو غیر اکار قتلنی یعنی میرا رتبہ اس قابل نہ تھا کہ مدینہ کا کسان مجھے قتل کرے
جس وقت عبد اللہ بن مسعود اس کا سر کاٹنے کے واسطے اس کی چھاتی پر چڑھے تو بطور تکبر اس کے
منہ نکالے بکریاں چرانے والے بڑے مقام پر چڑھا۔" اور کہا "کیا دنیا میں اس سے کوئی عمدہ
اور مرتبہ میں بڑا شخص ہے جس کو تم نے قتل کیا ہے۔" اور یہ بھی کہا "میری گردن زیادہ چھوڑ
کر کاٹیو۔ تاکہ معلوم ہو۔ کہ کسی سردار کا سر ہے" پس اس سے معلوم ہوا کہ اس کا تکبر اور غرور
فرعون کے تکبر اور غرور سے بڑھا ہوا تھا۔ اس واسطے اس فرعون کے حق میں لیطغیٰ کا لفظ آیا۔
جس میں لام تاکید۔ اور صیغہ بھی استمرار اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور اس فرعون کے حق میں
باوجود سلطنت اور عزت اور مرتبہ کے طغیٰ کا لفظ بغیر تاکید کے اور بغیر صیغہ استمرار کے فرمایا
دوسرا نکتہ یہ ہے کہ سورہ انفطار میں جو اختلاف خلقت اور ظاہر و باطن کے اعضا کے تناسب
کی نعمت بیان ہوئی ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کرم سے یاد فرمایا ہے۔ ما غرک بربک
الکریم الذی خلقک فسوٰک فعدلک فی ای صورۃ ما شاء رکبک اور اس
سورت نے جو تعلیم خط کی نعمت کا ذکر کیا۔ تو صفت اکرم سے یاد فرمایا دیکھو کہ اکرم
افعل التفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہوئے بڑا کریم ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ
کے نزدیک علم کی نعمت حسن و جمال کی نعمت سے بڑی ہوئی ہے واللہ اعلم

سُورَةُ القَدر نَزَلَت بِمَکَّہ اَو بِالمدینۃ بعد الشَّمس وَهِیَ خَمسُ آیَات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے
اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ	ہم نے یہ قرآن شریف شب قدر میں

الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

اتارا ہے اور تم کچھہ سمجھے کہ شب قدر کیا ہے۔

شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے

اس میں روح اور فرشتے ہر کام کے انجام کے لئے اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔

اس رات کو صبح ہونے تک امن ہے۔

یہ سورت اکثر علمائے صحابہ مثلاً ابن عباس ابن زبیر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مکی ہے اور حافظ ابن کثیر بھی اسی کے قایل ہیں۔ ابن ابی حاتم اور علی بن عروہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ بنی اسرائیل میں چار شخص تھے جنہوں نے اسی اسی برس اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اسی اسی برس میں ایک لمحہ خدا کی نافرمانی نہ کی۔ حضرت ایوب ؑ حضرت ذکریا ؑ۔ حضرت حزقیل اور حضرت یوشع ؑ۔ یہ سنکر صحابہ نے تعجب کیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ہماری تو اس قدر عمر بھی نہیں ہوتی۔ پھر ہم ان کے ثواب کو کیونکر پا سکتے ہیں۔ حضور نے بھی اس بات پر سکوت فرمایا۔ کیونکہ حضور کو آپ کی امت کی عمریں دکھائی گئی تھیں کہ اکثر ساٹھ اور ستر کے درمیان میں ہونگی۔ اسی وقت حضرت جبرائیل ؑ یہ سورت لیکر آئے کہ " آپ کو اور آپ کے اصحاب کو انکی اسی اسی برس کی عبادت پر تعجب آیا۔ اور خیال ہوا۔ آپ کی امت کے واسطے ایک رات کی عبادت پر اللہ تعالیٰ نے ہزار مہینے کی عبادت کا ثواب بتایا ہے۔ جس کے تراسی برس چار مہینے ہوئے۔ بلکہ خیر من الف شہر فرمایا ہے۔

ہزار مہینے سے بہتر اور عدد بھی حصی ہے. کہ عرب کے لوگوں میں گنتی کے واسطے اس سے زیادہ عدد نہیں ہیں. ورنہ حقیقت اس کے ثواب کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس پر تعجب نہ کرو کہ اللہ تعالےٰ نے اس امت کے لئے ہر عمل نیک کا ثواب بے انتہا رکھا ہے. مثلاً خیرات کا ثواب ارشاد ہوتا ہے. مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل تا واسع علیم ترجمہ ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ایک دانہ کی ہے کہ اگیں اس سے سات بالیں ہر بال میں سو دانے اور اللہ جس کے واسطے چاہتا ہے دوچند کر دیتا ہے اور اللہ بڑی گنجائش والا جاننے والا ہے. یعنی نیتوں اور دل کے خلوص کو جانتا ہے جس قدر خلوص زیادہ ہوتا ہے ثواب زیادہ بڑھتا جاتا ہے. چنانچہ روزے کا ثواب یوں فرمایا " عمل ابن ادم یضاعف الحسنۃ بعشر امثالھا الیٰ سبعۃ مائۃ ضعف قال اللہ تعالیٰ الا الصوم فانہ لی وانا اجزیہ یدع طعامہ و شرابہ من اجل الحدیث (متفق علیہ) اسی طرح جو شخص جمعہ میں اچھی ہیئت اور نیت صالحہ سے جاتا ہے اس کے لئے عمل ایک سال کا لکھا جاتا ہے. اسی طرح ثواب تسبیح کا اور بعض کلمات کا. مگر یہ زیادتی ثواب کی اسی وقت ہے جب خلوص اور اتباع سنت کا عمل میں خیال ہو. ورنہ کچھ بھی نہیں.

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ محشر برپا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر کے پڑھنے والے عطائے ثواب کے لئے بلائے گئے چونکہ یہ بھی کثرت سے پڑھتے تھے خوشی سے دوڑے فرشتے نے ان کے ایسی کہنی ماری کہ یہ گر پڑے. کہا میں بھی انہیں پڑھنے والوں میں ہوں فرشتے نے جواب دیا کہ تو اس کے پڑھنے میں اس عدد کی رعایت نہ کرتا تھا جو حضور نے فرمایا تھا یعنی ۳۳. ۳۳ اور ۳۴ بار اس لئے تجھ کو کچھ ثواب نہ ملے گا. پھر کس طرح امید ہو سکتی ہے ان کاموں کے ثواب کی جو بطریق بدعت ایجاد ہوئے ہیں.

لیلۃ القدر کے باب میں مجاہد نے کہا کہ اس رات کا عمل قیام ہے اور دن کا صیام یہ ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ ابو ہریرہ رض نے کہا جب رمضان آتا جناب رسول اللہ صلعم فرماتے تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آیا یہ مبارک مہینہ ہے اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کئے ہیں اس مہینے میں جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین قید کئے جاتے ہیں اس مہینے میں ایک رات ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے جو شخص اس رات کی خیر و خوبی سے محروم رہا وہ حرماں نصیب ہے اس حدیث کو احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا جس نے قیام کیا لیلۃ القدر کا اس کے اگلے گناہ سب کے سب بخش دیئے جاتے ہیں۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ‌ۚ مقرر ہم نے لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے شب قدر اس رات کو کہتے ہیں جس میں عالم ملائکہ اور ارواح کو عبادت کرنے والوں کا رتبہ اور رفعت معلوم ہوتی ہے اور منصب امامت، ولایت، قطبیت غوثیت۔ ابدالیت وغیرہ ان مراتب کے مستحقوں کو اس رات میں عطا فرمائے جاتے ہیں۔ اور اس معاملہ کو رات کے ساتھ اس واسطے مخصوص کیا۔ کہ دن ظہور کا وقت ہے جو مشابہ ہے عالم شہادت سے اور رات پردہ پوشی کا وقت ہے جو مشابہ ہے عالم غیب سے اور بھید اس رات کا جو عارفوں کو معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ رات وصل کا وقت ہے اور دن فصل کا۔

اور صورت وصل اس شب میں یوں جلوہ فرماتی ہے کہ جمال الٰہی کی تجلی اپنے مشتاقوں پر متوجہ ہوتی ہے۔ ان کے مدرکات یعنی بوجھوں اور ذہنوں میں ایک قسم کی فراخی اور کشادگی پیدا ہو جاتی ہے قوت خیالیہ قوت مدرکہ کی خدمت کرتی ہے وہ تجلی جمالی ملائکہ اور عالم ارواح کو جو عالم قدس کے رہنے والے ہیں۔ اپنے ہمراہ لاتی ہے اور ملاقات کراتا

عالم غیب اور عالم قدس کے رہنے والوں کا علوم ظاہر اور عالم سفلی کے رہنے والوں سے اور لمنا آسمان کے کمال والوں کا زمین کے کمال والوں سے اور فائدہ حاصل کرنا ایک عالم کا دوسرے عالم کے لمعات انوار اور روشنیوں سے اس رات کو ہوتا ہے اور عالم روحانی میں اس رات کو ایک عجیب حالت اور کیفیت ہوتی ہے جس کا بیان کرنا اور پیرایۂ الفاظ میں لانا مشکل ہے۔

لیکن ایک ناقص سی مثال اس قدر بیان کرتا ہوں کہ جس سے کچھ تو سمجھ لیا جائے وہ مثال یہ ہے کہ جس طرح موسم بہار میں پانی کے برسنے کے سبب سے اور آفتاب کی گرمی کی شدت سے جو زمین کی ابھارنے والی قوت میں تاثیر کرتی ہے اور زمین کی رونق کو اس طرح ابھارتی ہے کہ ہر ہر دانہ اور گٹھلی جو زمین میں پوشیدہ ہے وہ سب رنگ برنگ کے گل بوٹے اور لہلہاتے سبزہ ہو جاتے ہیں اور اس سے زمین کی زینت کو ایک کمال حاصل ہوتا ہے۔ یہی صورت اس تجلی کے اثر اور عالم ملائکہ اور ارواح کے ملنے سے اس عالم کے اہل دل کی ہوتی ہے۔ جس میں جس قدر استعداد ودیعت رکھی گئی ہو۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ اور تم کیا جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کی کیا بزرگی ہے ہر چند کہ عارف وسیع المعرفت اور جلیل المرتبت ہو۔ لیکن اس تجلی الٰہی کی حقیقت کہ عالم گوناگوں ہمراہ رکھتی ہے اور رنگ برنگ کی مختلف تاثیریں ہر ایک کی استعداد کے موافق ظاہر کرتی ہے جیسا کہ چاہئے ویسا بیان کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اس حقیقت بیان کرنے کے لئے۔ ان تمام عالموں اور تمام وکمال استعدادوں کا علم ہونا ضرور ہے اور یہ بات مفصل معلوم ہونی مقدور بشر سے باہر ہے اس لئے جس قدر اس رتبۂ عظمت کا عام لوگوں کے لئے بیان کرنا ضرور ہے اور وہ اسی قدر ہے کہ

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ شب قدر ان ہزار مہینوں سے جن میں شب قدر نہ ہو بہتر ہے اور دوسری عظمت اس رات کی یہ ہے کہ

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا شب قدر میں آسمانوں سے زمین پر روح اور فرشتے اترتے ہیں یعنی اس رات کو زیادتی برکت کی وجہ سے فرشتے رحمت کے اترتے ہیں۔ ان کے ساتھ برکت اور رحمت نازل ہوتی ہے روح سے مراد اس جگہ یا تو جبرئیل ہیں جن کو روح الامین کہتے ہیں اور روح ایک فرشتہ کا نام بھی ہے اس سے مراد ہو۔ یا ارواح مقدسہ باذن پروردگار علیین سے اترتی ہوں۔

فرشتوں کا زمین پر اترنا ارواح قدسیہ کے ساتھ اس لئے بھی ہو سکتا ہے کہ کمالات علوی اور سفلی باہم جمع ہو کر تعاکس انوار کے طور جلوہ فرمائیں۔ اور ان دو نوع سے ایک شکل مرکب ہو کر کمال کی صورت پکڑے اور وہ جو ہر نورانی کہ ہر فرد میں جدا جدا موجود ہے ایک اجتماعی ہیئت اور صورت حاصل ہونے کی وجہ سے اور باہم جمع ہونے کے سبب سے اور ہی قسم کا رنگ مثل معجون مرکب کے پیدا کرے کہ اجزائے مختلف الکیفیات سے ہر ہر فرد کی تاثیر کے علاوہ ایک دوسری کیفیت پیدا کرتی ہے اور یہ ایک عجیب و غریب حالت ہے عجائبات الٰہی میں سے کہ اس سے ناقص کو کامل کے ساتھ ملا کر ایک مرتبہ میں داخل کر لیتے ہیں اور یہی بھید ہے کہ تنہائی کی نماز سے جماعت کی نماز کو بدرجہا فضیلت ہے۔ اس لئے پانچوں نمازوں میں جماعت کی تاکید فرمائی ہے اور ہفتہ میں ایک روز جمعہ کی اور سال میں عیدین کی نماز ایک ہی جگہ جمع ہو کر پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ کیونکہ جس قدر جماعت کی کثرت ہوتی ہے۔ اسی قدر دل روشن اور صاف ہوتا ہے اور اس صفائی باطن اور روشنی قلب کی وجہ سے عند اللہ مرتبہ قبولیت میں تاثیر زیادہ ہوتی ہے۔

ہر چند کہ نازل ہونا فرشتوں کا اور دوسرے کاموں کے واسطے بھی کتب احادیث سے ثابت ہے جیسے قرآن شریف کی تلاوت۔ حلقہ ذکر اللہ یا مجالس وعظ کے اوقات میں۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص خالصاً للہ طلب دین کے لئے جاتا ہے فرشتے اپنے پروں کو اس کے پیروں تلے بچھا دیتے ہیں۔ یا نزول ملائکہ کاتبین جو بندوں کے کاتب اعمال

ہیں۔ مگر شب قدر کی نسبت فرمایا کہ نازل ہونا فرشتوں کا اس مبارک رات میں اس قسم کا نہیں ہے۔ بلکہ یہ مخصوص نزول ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اپنے رب کے حکم سے یعنی تجلی الٰہی اور انوار لامتناہی تمام ملائکہ اور ارواح مقدسہ کو اپنے ہمراہ لے کر اس کام کے لئے نزول فرماتی ہے کہ بنی آدم کے اعمال صالحہ کا نور فرشتوں اور ارواح مطہرہ علویہ کے نور کے ساتھ جمع ہو کر اہل زمین کی حضوری دل کی کثرت اور خضوع و خشوع کی زیادتی کا سبب ہو۔ اور فرشتے بھی ان کیفیتوں سے لذت اٹھائیں جو زمین والوں کو اپنے محبوب معبود کی نسبت سے حاصل ہوتی ہیں اور مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ملائکہ اور ارواح کا بیان ہے یعنی ملائکہ اور ارواح ہر کام کے لئے کہ قرب کمال کے ساتھ متعلق ہیں۔ اس رات میں زمین پر نزول فرماتے ہیں۔

سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ یعنی غروب آفتاب سے طلوع فجر تک اس رات میں سلامتی اور امن رہتا ہے۔ ساری برکات اور علوی رحمتیں اترتی ہیں شیاطین کے وسوسہ اندازی اور راجنہ کے خراب اثر سے عافیت رہتی ہے۔ حضوری کی لذت ملتی ہے عبادت میں جی لگتا ہے ذکر اللہ میں مزا آتا ہے ابن ابی یعلیٰ نے کہا۔ کہ اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ اس رات میں ہر طرح سلامتی رہتی ہے قتادہ ابن زید کہتے ہیں کہ اس رات میں شام سے صبح تک شر نہیں ہوتی اس رات کے تعین اور وقوع میں کہ کب واقع ہوتی ہے علمائے دین کے مختلف اقوال ہیں۔ مگر احادیث صحیحہ میں آچکا ہے کہ رمضان المبارک کے عشرۂ آخر کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کرو۔ واللہ اعلم۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ وَهِيَ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	منکرین اہل کتاب اور مشرک

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ
رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا
مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۭ
وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ
وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاۗءَ
وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ
وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۭ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ
شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

(وہ تو ایسے) نہ تھے کہ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی روشن نشان کے (اپنے باطل عقیدوں سے) باز آتے (نشان بھی کیا) اللہ کی طرف سے ایک پیغمبر (عظیم الشان) جو پڑھتا ہو صحف پاک (یعنی قرآن کی سورتیں) جنکا ہر حکم مضبوط ہو۔ اور اہل کتاب روشن نشان آنے کے بعد متفرق ہوئے اور ان کو یہی حکم ہوا کہ نری اللہ کی بندگی کریں اس کے واسطے دین کو خالص کر کے (بطور ابراہیم حنیف کے)

اور نماز کو قایم رکھیں، اور زکواۃ دیں اور مضبوط راہ یہی ہے

جو لوگ کافر ہو گئے اہل کتاب اور مشرکین (سب کے سب) سدا دوزخ میں رہیں گے

یہ لوگ بدترین خلائق ہیں اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ	اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے
هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ جَزَآؤُهُمْ	یہ بہترین خلائق ہیں۔
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ	ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے لیے باغ ہیں۔ جن کے نیچے
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	نہریں جاری ہیں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ	یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے
اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ	اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ؕ	یہ مرتبہ اس کو ملتا ہے۔ جو اپنے رب سے ڈرتا ہے

تفسیر: اس سورت کا نام بیّنہ ہے اس کی ۸ آیتیں ہیں ۹۳ کلمے اور تین سو چھیانوے حروف ہیں اور اس کو سورہ منفکین بھی کہتے ہیں۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن قانع نے معجم طبرانی میں اور ابن مردویہ نے ابو حبہ بدری کی روایت کی ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضرت جبرئیل نے کہا کہ اے رسول خدا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ سورت ابی کو پڑھاؤ۔ حضور نے ابی سے کہا۔ ابی نے عرض کیا۔ کہ کیا میرا ذکر وہاں ہوا حضرت نے فرمایا ہاں۔ ابی رونے لگے یہ رونا ابی کا ایسا تھا جیسا کہ افراط کی خوشی سے آدمی بے اختیار رونے لگتا ہے اس میں ابی کی بڑی فضیلت ہے کہتے ہیں کہ ابی بہت جلد حضور کے الفاظ کو یاد کر لیتے تھے۔

اسماعیل بن حکیم مرفوعاً کہتے ہیں۔ کہ حضور نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اس سورۃ کا پڑھنا اپنے کسی بندے سے سنتا ہے تو فرماتا ہے خوش ہو جا میرے بندے مجھ کو اپنی عزت

وجلال کی قسم میں تجھ کو جنت میں ایسی جگہ دونگا تو خوش ہو جاوے گا۔ اس کو ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ روایت غریب ہے مگر اس کی مثل ابو موسیٰ مدنی نے بھی روایت کی ہے۔ ابی بن کعب نے کہا۔ کہ مجھے رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں تجھ کو فلاں فلاں سورت پڑھاؤں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ کیا میرا ذکر وہاں آیا فرمایا ہاں۔ اے ابا منذر میں نہایت خوش ہوا

بینہ لغت عرب میں ظاہر اور روشن چیز کو کہتے ہیں اس چیز کو دیکھنے کے بعد حقیقت کام کی ظاہر ہو جائے اور کچھ شک و شبہ اس میں باقی نہ رہے۔ جیسے دعوے میں معتبر گواہ اس سورۃ کا نام بینہ اس واسطے رکھا ہے کہ یہ سورۃ دلالت کرتی ہے اس پر کہ حضور سرور عالم کا وجود خود آپ کی نبوت پر روشن دلیل اور قوی برہان اور ظاہر نشان ہے یہانتک کہ اگر کوئی شخص حضور کے اوضاع، احوال، افعال، اقوال پر صاف دل اور سچے خیال سے جو تعصب اور تقلید آبائی کی علتوں سے پاک ہو غور اور تامل کرے تو یقیناً سمجھ لے کہ اس قسم کی ذات مقدس اور مطہر بے شک و شبہ لیاقت پیغمبری کی رکھتی ہے اور اس میں جھوٹ اور بناوٹ کا ہرگز ہرگز ایک ذرہ دخل نہیں ہے کسی قدر تفصیل کی اگر ضرورت ہو تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ بات دوست دشمن سب جانتے اور مانتے ہیں کہ ہمارے سید و مولا حضور صاحب ابھی والدہ ماجدہ کے پیٹ میں تھے کہ حضور کے والد نے انتقال فرمایا۔ بعد ولادت شریف موافق رواج مکہ معظمہ کے حضور کے دادا صاحب نے رضاعت کے لئے ایک گاؤں میں بھیجدیا۔ وہاں یتیمی کی حالت میں رضاعت کی مدت پوری کی۔ مگر ابھی بہت ہی صغیر سن تھے۔ کہ دادا صاحب نے بھی اس جہان سے رحلت فرمائی اور حضور کو یتیمی کی حالت میں چھوڑا اور اسی یتیمی کی حالت میں حضور نے ہوش سنبھالا۔ آپ کی قوم اور بھائی بند سب جہل مرکب میں گرفتار تھے جو ستھرے آداب، نیک اخلاق پسندیدہ اوضاع سے واقف ہی نہ تھے۔ ایسے لوگوں میں آپ کی ذات بابرکات نے کمال درجہ کے حسن اخلاق

اور نہایت پاکیزہ اخلاق اور غایت مرتبہ کے نیک اور قابل اوضاع کے ساتھ ظہور فرمایا۔ پھر باوجودیکہ حضور امی محض تھے یہانتک کہ کبھی کسی مکتب میں بھی نہ بیٹھے تھے مشکل سے مشکل علوم کی باریکیاں ایسے الفاظ میں بیان فرما دیتے تھے کہ حضور کے بیان کا ایک ایک لفظ معجزہ اور حضور کی تقریر کا ایک ایک لفظ معجزہ اور حضور کی تقریر کا ایک ایک جملہ فصاحت کا ایک پاکیزہ چشمہ ہوتا ہے، پھر ملکی تدبیرین پولیٹکل مسائل اور جنگ وصلح کے مقدمے اور سوائے اس کے سب کام حضور کے انتہا درجہ کے قواعد حکمت پر جاری تھے اور کبھی کوئی بات حضور سے خلاف تحمل و مروت ظہور میں نہ آتی تھی۔ پس باوجود نہ ہونے تعلیم و تعلم کے اور باوجود ایسی سوسائیٹی میں پرورش پانے کے کمالات کے انتہا مرتبہ پر پہنچنا بے تائید غیبی اور بغیر تعلیم الہی کے ممکن نہیں ہے اور یہی معنی ہیں پیغمبری کے
بسم اللہ الرحمن الرحیم لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ جو لوگ کافر ہو گئے ہیں اہل کتاب میں سے اور مشرکین اپنے عقاید شرک اور کفر اور وضع اور آئین بد سے اور تقلید باطل سے باز رہنے والے نہ تھے۔ جب تک ان کے پاس کھلی نشانی قومی حجت نہ آئے۔

ہمارے سید و مولیٰ حضرت صلعم کی بعثت کے وقت عرب دو قسم کے تھے ایک تو اہل کتاب تھے جو اپنے کو تابع کتاب الہی جانتے تھے اور یہ بھی دو قسم کے تھے، یہود اور نصاریٰ، یہودی اپنے کو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا تابع اور توریت و زبور اور دیگر صحائف انبیا کا پیرو جانتے تھے اور نصاریٰ اپنے کو عیسیٰ علیہ السلام کا تابع اور انجیل و توریت و زبور اور صحایف انبیا کا پیرو بتاتے تھے۔ اہل کتاب میں علاوہ اور بدعات قبیحہ و رسم شرکیہ کے درویش پرستی اور علما پرستی کا مرض اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ کتاب اللہ اور سنت طریق انبیا کا ان میں سوال بھی نہ ہوتا تھا۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم۔ انہوں نے اپنے عالموں اور

اور درویشوں کو خدا بنا رکھا ہے۔ خدا کو چھوڑ کر اور مسیح بن مریم کو (سورہ توبہ ۴) حضرت عیسٰی اور حضرت مریم کی تصویریں تہیں گا۔ ان کے معابد اور خانقاہوں میں رہتی تہیں مگر ان کے عمل اور اعتقاد سے کوئی واسطہ نہ تہا۔ ایسا ہی یہود کا حال تہا۔

اب رہے عرب جو اپنے کو ابراہیم کا تابع اور دین حنیف کا پیرو کہتے تھے ان میں سے بعض تو صابئین تھے کہ مجوس کے مراسم شرکیہ کی طرح ستاروں اور آگ کی روح کی پرستش کرتے تھے اور بعض نے پیغمبروں اور بزرگوں کی تصویروں کو اپنا معبود ٹہیرالیا تہا۔ ان کو مقرب بارگاہ الہی جان کر انہی کو تمام دینی اور دنیوی کاموں کا وسیلہ جانتے تھے اور کہتے تھے ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى (ہم انکی محض اس واسطے پرستش کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے نزدیک کردیں، سورہ زمر پارہ ۲۳) الغرض یہ کہ دونو قسم کے لوگ اور سب گروہ قبیح بدعتوں اور بدرسموں باطل اور شرکیہ اعتقادوں میں ایسی مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے تھے کہ اب کسی مولوی کی ہدایت و موعظت سے یا کسی حکیم کی پند و نصیحت سے یا کسی ولی کے ارشاد اور تصرف سے یا کسی بادشاہ کے حکم سے ان کا راہ پر آنا ممکن نہ تہا جب تک کہیں نشانی اور محکم کتاب کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف سے کوئی عظیم الشان پیغمبر نہ آئے۔

رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿﴾ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۔ ایک رسول اللہ کی طرف سے آئے کہ پڑہے صحف پاک جن میں ہر حکم مضبوط لکہا ہو۔

تکمیل ارشاد و نصیحت کے لیے اس وقت تین مرتبوں کی ضرورت تہی۔ پہلے یہ کہ صاحب ارشاد مویّد من اللہ ہو۔ کہ مخلوق کی بلا گردانی مشکل کشائی حاجت روائی۔ اللہ تعالے نے اس کی زبان یعنی دعا پر رکہی ہو۔ پھر انسانی کمالات اور قلبی تصرفات مثل معجزات اس میں اس قدر جمع ہوں کہ اس کی رسالت خدا کی طرف سے ثابت ہو۔ چنانچہ یہ باتیں ہمارے سید و مولا میں کما حقہ ثابت ہیں جن سے ان کا

مرتبہ رسالت من جانب اللہ ہونا ظاہر و باہر تھا۔ اس لئے کہ رسالت کی اعلیٰ سے اعلیٰ شرطیں بھی اور باوجود ہونے کے انسانی کمالات انتہا درجہ کے ان میں موجود تھے۔

دوسرا مرتبہ نزول کلام غیب جو معجزوں کے نور سے بھرا ہوا ہو اور نیک و صادق اور صاف دل لوگوں کو جن کے دل رزائل انسانی کے مرضوں سے پاک ہوں۔ انہیں اس کلام کی ظاہر و باطن کی برکتیں اور انوار تلاوت کے وقت ظاہر اور روشن طریق سے نظر آئیں اور وہ کلام ہزل اور کذب اور تناقض کے عیبوں سے بھی پاک ہو۔ یہ بات قرآن مجید میں جس کو ہمارے حضور نے باوجود امی ہونے کے ہم پر تلاوت فرمایا ظاہر و روشن ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہ ایسی جامع کتاب ہو جس کی مختصر عبارت میں اگلی کتابوں کے مضامین معلومۃ الصدق لپٹے ہوئے ہوں اور باوجود اس کے واضح تقریر اور دلفریب طرز سے ادا بھی کئے گئے ہوں۔ سو یہ بات بھی قرآن مجید میں بھرپور موجود ہے۔

اب سوال یہ ہو سکتا ہے کہ باوجود ان تمام مراتب عالیہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نیا دعوے بھی نہیں کیا۔ بلکہ اس حنیفی دین کے جس کے قریش مدعی تھے اور انہیں اصول محکمہ کے جو تمام انبیا علیہم السلام کے قرار دادہ تھے۔ حضور بھی مدعی تھے پھر اس قدر تفریق اور اختلاف کی کیا وجہ ہوئی۔ کہ ان کو کافر اور مشرک فرمایا اور انہوں نے ان کا انکار کیا۔ اور ان کے ایسے دشمن ہو گئے کہ انتہا سے انتہا درجہ کے مظالم ان کے اور ان کے پیرو اور تابعین کے ساتھ روا رکھا۔ جواب یہ ہے کہ قریش اور اہل کتاب دونوں اپنی رسمیات قبیحہ اور بدعات مخترعہ کی غلیظ محبت میں ایسے فنا ہو گئے تھے۔ کہ نہ انکی آنکھ میں حق کے دیکھنے کی قوت باقی رہی تھی نہ کان میں سچ کے سننے کی طاقت۔ ان کی تقلید کی غلاظت اور شرارت نے ان کو ضد اور عناد کے ایسے تاریک اور گہرے گڑھے میں دھکیلا تھا۔ کہ اسلام کی خوبیاں اور کمالات ان کو

نظر ہی نہ آتے تھے بلکہ عیب دکھائی دیتے تھے۔
چنانچہ فرمایا وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ۔ اور متفرق نہیں ہوئے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ اس دین اور اس پیغمبر سے) مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشان اور واضح برہان اور کھلی حجت آچکی تھی یعنی ان کا اختلاف بوجہ نقصان حجت یا ضعف برہان یا کم رنشان کے نہ تھا بلکہ انکا اختلاف اور تفرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محض بوجہ عناد اور ضد پیدا ہوگیا تھا۔ کیونکہ قرآن اور ذات مقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو ایسی اچھی غذا کی ہے جو تندرست طبیعتوں کو کمال قوت بخشتی ہے طبعی کاموں میں درستی پیدا کرتی ہے، مگر مریض کے واسطے وہی غذا اس کے امراض کی زیادتی کا سبب ہوجاتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (اور ہم قرآن میں ایسی باتیں نازل کرتے ہیں جس سے ایمان والوں کو شفا ہوتی ہے اور ظالم نافرمانوں کو تو اس سے الٹا نقصان ہی ہوتا ہے (سورہ بنی اسرائیل) اور یہی مطلب ہے يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا کا اسی وجہ سے اہل کتاب کے دو گروہ ہوگئے ایک طائفہ یہود و نصاریٰ کا حضور کے انکار پر اور آپ کے تابعوں سے جدال و قتال پر کھڑا ہوگیا۔ اور دوسرے گروہ نے حضور کی متابعت اختیار کی اور آپ کے دین کی تائید اور نصرت و حمایت کے واسطے دل و جان سے شریک ہوگئے یہاں فقط اہل کتاب کے تفرق اور اختلاف کے ذکر پر اکتفا کرنے اور مشرکین عرب کو کسی گنتی میں نہ لانے کی یہ وجہ ہے کہ اہل کتاب اپنے کو کتب ربانی کا عالم جانتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کی چال ڈھال انکی روش سے اور کتب سماوی کی نشانیوں سے واقف تھے، بخلاف مشرکین کے کہ وہ ان چیزوں سے محض ناآگاہ تھے اس لیے ان کا تفرق اور اختلاف قابل ذکر نہ تھا۔ اب رہی ایک

وہ یہ ہے۔ کہ ہر چند معجزات ظاہر اور علامات روشن ایک شخص کی حقیقت پر گواہی دینا
گر وہ شخص کسی ایسی بات کا حکم کرے جو اصل مقصود اور اصول جمیع انبیاء علیہم السلام
کے خلاف ہو۔ تو وہ شخص ہی قابل اتباع اور لائق پیروی نہیں ہو سکتا اس کے معجزات
یا علامات کو استدراج یا اتفاقات پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اس لئے فرمایا کہ ہمارے اس
رسول میں یہ بات نہیں۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ

اور ہمارے پیغمبر کی شریعت میں ان کو یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں مخلص ہو کر
اسی کے واسطے دین کو خالص کر کے۔

حنیف عرب کی زبان میں اس کو کہتے ہیں جو ہر کام اور ہر چیز میں نرا اور
محض اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے غیر کی طرف توجہ ہی نہ کرے اس
لفظ میں انتہا درجہ کے خلوص و اخلاص کی تاکید ہے جو حجابوں کے دور ہونے
کا وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا زینہ ہے اور یہی اصل مقصود تھا۔
جمیع انبیا علیہم السلام کا۔

وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ

اور ہمارے اس نبی کی شریعت میں ان کو یہ حکم ہے کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ
دیں اور دین حنیف یہی ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک
کسی نبی نے اس کے خلاف حکم نہیں دیا۔ غایت مقصد سب کا یہی تھا اور حقیقت
میں مقصود کا مطابق ہونا اصل کے ساتھ دیکھا جاتا ہے اور جب اہل کتاب کی مخالفت
کا حال بیان ہو چکا۔ اور ان کے اختلاف اور افتراق کی حقیقت کھل چکی تو اب تفصیل
ان دونوں فرقوں کے مدارج کی عذاب و ثواب میں جو عنداللہ ثابت ہے بیان فرمائی
جاتے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مقرر جو لوگ کافر

ہو گئے اہل کتاب میں سے اور مشرک سب کے سب فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۔
دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ جب دنیا میں اہل کتاب نے باوجود علم کے
ہمارے کلام اور ہمارے رسول کے انکار میں مشرکوں سے موافقت کی اور ضد و عناد میں
اور مشرکوں سے موافقت کی اور ضد و عناد میں اور تعصب بے جا اور تقلید باطل
میں مشرکین کے ساتھ رہے تو دوزخ میں بھی انہی کے ساتھ رہیں گے اگر ان کو خیال
ہو کہ ہم پر چہ اپنی کتاب والی کے دوسری مخلوق پر مرتبہ رکھتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ
دوزخ میں ہمیشہ کیسے رہ سکتے ہیں۔ تو ان کا یہ خیال خام ہے اس لئے کہ انہوں نے
اپنی ضد اور ہٹ کو مقابلہ حق کے اس قدر بڑھا دیا۔ کہ ان کا سارا مرتبہ خاک میں
مل گیا۔ ان کا علم اور ان کی بزرگی ان کی عقلمندی اور دانائی سب ملیامیٹ ہو گئی
أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ یہ لوگ اللہ کے نزدیک سب مخلوق سے بدتر ہیں۔ اس
لئے کہ جب محض ضد کی وجہ سے اللہ کے حکم کا انکار کیا اس کے رسول سے منکر ہوئے
تو اپنے نفس کی خواہش کو اللہ کے حکم پر غالب کر دیا۔ اور یہ خرابی کسی مخلوق میں
نہیں ہے اس لئے دوسری جگہ فرمایا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ
سَبِيلًا یہ لوگ چوپایوں کی برابر ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے (فرقان)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ
مقرر جو لوگ سب کچھ چھوڑ کر ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ لوگ سب مخلوقات سے
بہتر ہیں۔ اس لئے کہ باوجود نفس کی خواہشوں کی کشمکش کے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو
غالب کیا۔ لہٰذا تمام مخلوقات سے بہتر ہوئے

جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ان کے رب کے پاس ان کا بدلہ ہمیشہ رہنے کے واسطے باغ ہیں
جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہنے والے

ہیں ابد الآباد. کیونکہ ان کے دلوں میں بھی ابد الآباد تک حق پر رہنے کی نیت قایم ہو چکی تھی اور بس گئی تھی گو عمر نہ پائی۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اللہ ان سے راضی ہوا. اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوئے اسواسطے کہ ثواب سے انکی طلب کا پیمانہ اس قدر لبریز کر دیا گیا ہے کہ اب گنجایش طلب باقی بھی نہ رہی۔ ذٰلِکَ یہ بیان اس شخص کے واسطے واضح اور صاف ہے، لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ جس کے دل میں اپنے پروردگار کا خوف ہے. اگر در خانہ کس است یک حرف بس است۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَہِیْدٌ بے شک اس قران میں نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو اہل دل ہیں اور کان لگا دیتے ہیں۔ اور دل سے بھی حاضر ہیں. اہل دل وہ لوگ ہیں جن کے دل حق آگاہ ہوں۔ جو دل حق سے نا آگاہ ہے وہ دل نہیں پتھر ہے. بلکہ پتھر سے بد تر ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے۔ کہ گویا وہ پتھر ہیں بلکہ سختی میں ان سے بھی بد تر اس طرح بعض بینا دل کے نابینا ہوتے ہیں اور بعض نابینا دل کے بینا ہوتے ہیں جو دل کے نابینا ہیں لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ دراصل اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ نَزَلَتْ بِمَکَّۃَ وَقِیْلَ بِالْمَدِیْنَۃِ ثَمَانُ اٰیَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا	جس وقت بھونچال سے زمین ہلائی جائے

وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۙ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۙ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا ۙ لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

اور زمین اپنے بوجھ یعنی مردے خزانے نکال باہر کرے گی۔ اور آدمی اس دن کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا اس دن زمین سارے اخبار کہولدیگی (یعنی سب گناہ بتا دیگی) اس سبب سے کہ اس کو تمہارے پروردگار نے حکم بھیجا ہے اس دن لوگ رنگارنگ حالتوں میں نظر آئیں گے۔ تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھلائے جائیں۔ پھر جس نے ایک ذرہ کے برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ایک ذرہ کی برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

تفسیر اس سورۃ کی آٹھ آیتیں ترپین کلمے اور ۱۴۹ حروف ہیں عبداللہ بن مسعود وعطا وجابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں۔ کہ یہ سورۃ مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے کچھ پڑھاؤ۔ فرمایا تین سورتیں ذوات الرٰ پڑھ لے۔ اس نے کہا میری عمر زیادہ ہے زبان موٹی پڑ گئی ہے۔ فرمایا تین سورتیں ذوات حٰم پڑھ لے اس نے پھر وہی عذر کیا۔ فرمایا تین مسبحات پڑھ لے اس نے پھر عذر کیا اور کہا مجھے کوئی سورۃ جامع پڑھا دیجئے حضور نے اس کو اذا زلزلت الارض پڑھائی جب پڑھ کر فارغ ہوا۔ تو عرض کیا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق پر بھیجا ہے۔ میں اس پر کچھ زیادہ نہ کرونگا۔ حضور نے فرمایا "فلاح پائی اس شخص نے۔

حضرت انس رسول پاک سے روایت کرتے ہیں۔ جس نے یہ سورۃ پڑھی نصف

قرآن کے برابر ہے اور جس نے قل ہو اللہ احد پڑھی تو برابر ثلث قرآن کے ہے اور جس نے قل یا ایہا الکافرون پڑھی تو برابر ربع قرآن کے ہے اس حدیث کو ترمذی اور ابن مردویہ بیہقی نے روایت کیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سورت پہر بہر رات گئے نازل ہوئی تھی حضور صلعم نے صبح کا انتظار بھی نہ کیا اور اسی وقت گھر سے باہر تشریف لاکر لوگوں کو سکھا دی

مفسرین نے کہا ہے کہ اس سورت کی آخر آیت کا مضمون شریعت کے تمام احکام کا لب لباب ہے اور تمام قرآن کا خلاصہ ہے کہ ہر عمل کی سزا و جزا پر دلالت کرتا ہے اور اس صورت کا نام زلزال اس واسطے رکھا ہے کہ اس میں قیامت کے دن زلزلہ عظیم کے واقع ہونے کا ذکر ہے اور اسباب اس زلزلے کے یہاں تین سمجھ میں آتے ہیں۔ اول سبب تجلی الٰہی کی عظمت اور بزرگی جس سے اجزا زمین کے ٹوٹ پھوٹ کر سب بگڑ جائیں جیسا کہ ایک چھوٹا سا نمونہ اس کا کوہ طور پر واقعہ ہو چکا ہے فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا۔ جب جب تجلی فرمائی اس کے رب نے پہاڑ پر اس کو پاش پاش کر دیا

دوسرا سبب انتقام کی شان میں صفت قہاری کا موجزن ہونا اور غضب الٰہی جوش میں آنا۔ تیسرے سبب نفخہ صور کی تند و تیز آواز جس سے سخت اور شدید ہوا کے جھوکے زمین کے مخرج اور مسامات میں گھس کر ایک عظیم زلزلہ پیدا کر دیں گے اور ہر ہر مردے کے اجزا کا جا بجا معلوم ہو جانا غرض اس زمین کے جھڑ جھڑانے کے ممکن نہ تہا۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا۔ جس وقت زمین جھڑ جھڑائی جائے ایسا جھڑ جھڑانا کہ روئے زمین پر کوئی عمارت یا جھاڑ پہاڑ باقی نہ رہے گا اور تمام بلندیاں اور پستیاں زمین کی برابر ہو کر اس کی صورت بھی بدل جائے گی اور یہ معاملہ نفخہ ثانیہ کے نزدیک ہو گا

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۔ اور نکال پھینکیں گی زمین اپنے بوجھ یعنی مردے اور خزانے وغیرہ جو کچھ زمین میں ہو گا۔ اس عظیم الشان بھونچال کے

کے سبب زمین سب اپنے پیٹ میں سے نکال کر باہر پھینک دیگی کیونکہ مردوں کے اجسام کے اجزا زمین کے اندر تھے جو ارواح کا ٹھکانا تھی اور اس وجہ سے ارواح کو زمین کے اندر ایک علاقہ تھا جب ان اجزا و اجسام کے نکل آنے سے وہ علاقہ ٹوٹ جائے گا

وَقَالَ الْاِنْسَانُ ۔ اور گنہگار آدمی یعنی آدمیوں کی روحیں کہیں گی مالھا کیا ہو گیا ہے اس زمین کو اور باوجود اس زلزلہ کی شدت اور اس بیتابی اور بیقراری کے یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا ۔ اس دن زمین اپنی باتیں بتا دے گی ۔ کہ فلاں شخص نے مجھ پر نماز پڑھی تھی ۔ فلاں شخص نے مجھ پر خون ناحق کیا تھا ۔ یا زنا یا چوری کی تھی فلاں نے نیک کام کیا تھا ۔ اور فلاں نے بدکام کیا تھا ۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آسمان اور زمین رات اور دن ہاتھ اور پاؤں اس دن سب گواہی دینگے

اور اس کی بظاہر حکمت یہ ہے کہ پھر انکار کی گنجائش نہ رہیگی ۔ بروں کی برائی اور رسوائی اور اچھوں کی تعریف ، اور خوبی اور بھلائی کا ثبوت و اظہار ہو جائے ۔ اب اگر کوئی شبہ کرے کہ زمین ایک جمادی بے عقل اور غیر ناطق چیز ہے وہ کیونکر بولے گی ، تو یہ شبہ ایک ادنے غور سے رفع ہو سکتا ہے ۔ کہ انسان جس کو اللہ تعالےٰ نے بہت تھوڑی قوت اور تھوڑا علم دیا ہے اس نے چند اجزائے ارضی اور برقی کو ملا کر گویائی کے بڑے بڑے آلے بنا لئے ہیں جنکو ٹیلی گراف اور فونو گراف کہتے ہیں ۔ وہ تمام عالم کی باتیں ان کے ذریعہ کر لیتے ہیں ۔ تو اللہ تعالیٰ جو کامل قدرت اور کمال علم رکھتا ہے وہ کیا ہر چیز کو گویا نہیں کر سکتا ۔ اور اگر خود انسان ہی اپنی گویائی کی حقیقت کو غور کرے تو خود اپنی ہی حقیقت میں غوطے کھاتا پھرے اور کچھ تہ کا پتہ نہ چلے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا

اور زمین کی گواہی میں جھوٹ کا احتمال کسی طرح نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ وہ کسی طرح عداوت سے گواہی نہ دے گی بلکہ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۔ یہ گواہی زمین کی اس وجہ سے ہے کہ تیرے رب نے اسے حکم دیا ہے ، بھر بدکاروں کی رسوائی کو اسی قدر پر اکتفا نہ کریں

یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا۔ اسی روز قبروں سے نکل کر گروہ در گروہ لوگ آئیں گے یعنی زانیوں کا گروہ، شرابیوں کا گروہ۔ ظالموں کا گروہ، سود خوار اور چوروں کا۔ علیٰ ہذالقیاس سب گروہ اس لئے لائے جائیں گے لِیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ کہ ان کو ان کے کام دکھائے جائیں فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ اور کوئی ذرہ کی برابر برائی کرے گا اس کو بھی دیکھ لے گا۔ یہ آیت بڑی عبرت کی ہے مگر ایک اور آیت قرآن مجید کی تسلی کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ توبہ کر گئے مرنے سے ان کے حق میں فرمایا فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات یعنی جو لوگ تائب ہوکر مرینگے ان کی توبہ اور ندامت کے سبب اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ اب قیامت کے روز جو اعمال دکھائیگا تو ندامت اور توبہ کا وزن سیئات پر غالب ہوگا۔ مگر توبہ جبکہ من حیث توبہ ہو ایسی توبہ نہ ہو جس سے توبہ بھی توبہ کرے۔

ان آیتوں کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس نے کہا ہے کہ بھونچال کے سبب سے زمین اندر سے ہلے گی۔ اور مردوں کو باہر نکال کر ڈالدیگی اور بہت سے سلف کا بھی یہی قول ہے۔ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ اور جب زمین پھیلائی جائے اور جو کچھ اس میں ہے باہر نکال کر ڈالدے۔ اور فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ اے لوگو اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا بڑی چیز ہے

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلعم نے فرمایا تم جانتے ہو۔ زمین کا خبر دینا کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کا رسول جانتا ہے ہم کیا جانیں حضور اقدس نے فرمایا وہ گواہی دے گی ہر زن و مرد پر جو انہوں نے اس کی پشت پر

کیا ہے کہ فلاں فلاں کام فلاں فلاں روز کیا تہا۔ اس کا اخبار یہ ہے اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ بہی حضور نے فرمایا۔ زمین سے تحفظ کرو وہ تمہاری ماں ہے جو کوئی عمل خیر یا شر اس پر کروگے۔ وہ اس کی گواہی دے گی۔

صعصعہ بن معاویہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ حضور نے ان کو یہ سورت پڑہ کر سنائی۔ انہوں نے کہا: "مجہہ کو بس یہی کافی ہے۔ اور کچہہ سیکہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مفسرین نے لکہا ہے کہ مدینے کے دو شخصوں کو اس آیت سے عبرت ہوئی۔ ایک شخص کا خیال تہا۔ کہ تہوڑی سی چیز خدا کے واسطے دینی بے ادبی ہے۔ دوسرے کا خیال تہا۔ کہ چہوٹے چہوٹے گناہ کوئی چیز نہیں ہیں جیسے مسخرے کے طور پر بیہودہ باتیں کرنی یا بیجا نظر کرنا۔ اور کہتا تہا۔ ان چیزوں کی کیا پکڑ ہوگی۔ ان دونو کو اس آیت سے عبرت ہوگئی۔

بخاری میں عدی سے روایت ہے۔ کہ فرمایا حضور صلعم نے اتقوا النار ولو بشق تمرۃ یعنی آگ سے بچو اگرچہ آدہی کہجور دیکر ہی سہی اور یہ بہی حضور نے فرمایا۔ تو کسی نیکی کو حقیر نہ جان۔ اگرچہ اپنے ڈول سے کسی پیاسے کے برتن میں پانی ہی ڈالدے یا اپنے کسی بہائی سے ملے اور کشادہ روئی سے ملے اس لئے کہ کسی کے دل کو خوش کرنے کے لئے خوش ہو کر بولنا بہی نیکی ہے اسی طرح ترشروئی گناہ ہے۔

حدیث صحیح میں ہے۔ فرمایا حضور نے حقیر نہ کرے کوئی عورت اپنی ہمسائی عورت کو اگرچہ بکری کا ایک کہر ہی کیوں نہ ہو۔ مطلب یہ کہ کیسی ہی حقیر چیز کیوں نہ ہو۔ مگر ہدیہ دے کر ہمسائی کے دل کو بڑہا دے اور خوش کر دے کہ یہ نیکی ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ سائل کو خالی نہ پہیرو۔ اگرچہ ایک کوڑی کیوں نہ دو۔ حضرت عائشہ رض سے حضور نے فرمایا اے عائشہ آدہا چہوارہ دے کر۔ آگ سے اوٹ کر کہ وہ بہوکے کو سہارا دیتا ہے۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ نے ایک سائل کو ایک انگور کا دانہ دیا۔ اس کو کسی نے حقیر جانا

تو آپ نے فرمایا کم فیہا مِثقَالُ ذَرَّۃٍ ۔ یعنی اس میں کتنے ذرے اور اللہ تعالیٰ نے تو ایک ذرہ کا ذکر کیا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اے عائشہ دور رکھ اپنے آپ کو محقرات ذنوب سے کہ ان کا مطالبہ ہوگا۔ یہ روایتیں امام احمد اور نسائی اور ابن ماجہ نے بیان کی ہیں۔

انس کہتے ہیں۔ کہ ایک دن حضرت ابو بکر حضور کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ کہ یہ آیت اتری۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ اور عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم کو ذرہ برابر شر کا بدلہ ملے گا۔ حضور نے فرمایا ہاں ابو بکر دنیا میں جو کچھ تو مکروہ دیکھتا ہے وہ برابر ذرہ شر کے ہے۔ اور تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے مثقال خیر کے ذخیرے رکھے ہیں جو تجھ کو قیامت کو عطا ہونگے۔ اس حدیث کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں جب یہ آیت اتری فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ تو میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ کیا میں اپنے عملوں کو دیکھوں گا۔ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ بڑے بڑے گناہ بھی۔ فرمایا ہاں وہ بھی دیکھے گا۔ میں نے کہا افسوس میری ماں نے مجھ کو کیوں جنا۔ حضور رحمۃ للعالمین نے فرمایا۔ خوشخبری ہو تجھ کو اے ابا سعید ایک نیکی دس گنا ہوتی ہے، پھر سات سو تک پھر سات سو کو بھی اللہ تعالیٰ چند در چند کر دیتا ہے جس کے واسطے چاہے اور گناہ ایک کا ایک ہی رہتا ہے یا ایک کو بھی اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ یاد رکھو تم میں سے کسی کو نجات اپنے عمل سے نہ ملے گی

سعید بن جبیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب آیہ کریمہ ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیراً نازل ہوئی تو مسلمانوں نے خیال کیا کہ ہم کو تھوڑی چیز پر کیا ثواب ملے گا۔ ایک کھجور یا ایک ٹکڑا روٹی کا دینا حقیر سمجھ کر سائل کو نہ دیتے تھے، زیادہ نہ ہوتا تو خالی پھیر دیتے تھے۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہوں کو بھی

حقیر جانتے تھے اور کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے کبار پر نار کی وعید فرمائی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے خیر قلیل پر رغبت دلائی کہ وہ کثیر ہو سکتی ہے اور گناہ صغیرہ پر ڈرایا کہ وہ کبیرہ اور کثیر ہو جاتا ہے۔ ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچو تم محقرات ذنوب سے کہ وہ جمع ہو کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ پھر حضور نے اس کی مثال فرمائی کہ جس طرح ایک قوم جنگل میں اترے اور ایک ایک لکڑی لا کر جمع کرے تو ایک بار ہو گیا جس کو ہندی میں کہتے ہیں قطرہ قطرہ کرکے دریا۔ اور دانہ دانہ جمع کرکے ڈھیر ہو جاتا ہے اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے ذرہ اس کو کہتے ہیں جو ہبا شعاع آفتاب میں نظر آتی ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ نہ ذرہ بھر نیکی کو حقیر سمجھے اور نہ ذرہ بھر گناہ کو چھوٹا جانے، ہر صورت گناہ سے بچتا رہے گو کیسا ہی ہلکا اور چھوٹا ہو۔ اسی طرح نیکی سے باز نہ رہے گو کیسی ہی چھوٹی ہو حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک دانہ انگور کا کسی سائل کو دیا تھا۔ اس کی حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عَشْرَةُ اٰيٰتٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ وَ

دوڑتے ہانپتے گھوڑوں کی قسم، پھر ان کے نعلوں کی رگڑ سے پتھروں سے آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت دھاوا کرتے ہیں۔ پھر دھاوے کے وقت زمین کو گرد آباد کرتے ہیں پھر اس وقت دشمن کی فوج میں گھس پڑتے ہیں، آدمی اپنے رب کی نافرمانی ضرور کرتا ہے اور یہ اپنے ناشکرے پن پر ضرور مطلع ہے

إِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۞ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۞ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۞ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَبِيرٌ ۞

اور البتہ آدمی کو مال کی سخت محبت ہے کیا وہ وقت نہیں جانتا جس وقت اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں اور ظاہر ہو جائے گا جو سینہ میں ہے اس دن لوگ جانیں گے کہ ان کے حال کی ان کے پروردگار کو پوری پوری خبر ہے۔

(۱۹۲)

تفسیر اس سورۃ کی گیارہ آیتیں اور چالیس کلمے اور ایک سو ترسٹھ حروف ہیں۔ **عادیات** لغت عرب میں گھوڑوں کی دوڑ کو کہتے ہیں عاد سے مشتق ہے جو بہت دوڑنے کے معنی میں آتا ہے۔ حسن نے روایت کی ہے کہ سورہ اذا زلزلت نصف قرآن ہے۔ سورۂ عادیات نصف قرآن۔ اخرجہ ابو عبیدہ یہ روایت مرسل ہے مگر ابن عباس نے اس مضمون کو رفعاً ایک روایت کی ہے۔ اس میں اتنا اور زیادہ ہے کہ قل ہو اللہ ثلث قرآن ہے اور قل یا ایہا الکافرون ربع قرآن۔ رواۃ محمد بن نصر ابن عباس اور انس اور ابن مالک اور قتادہ نے کہا یہ سورت مدینے میں اتری ہے حسن اور عطا اور عکرمہ نے کہا مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ مگر اس کے شان نزول میں جو واقعہ مفسرین نے بیان کیا ہے وہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضور اقدس نے منذر بن عمر انصاری کو ایک غول سواروں کا دیکر بنی کنانہ کے ایک قبیلہ پر بھیجا کہ یہ لوگ ہمیشہ فساد مچاتے اور لوگوں کو آزار پہنچاتے رہتے مسلمانوں کے سخت دشمن اسلام کے بڑے مخالف تھے مگر حضور نے مسلمانوں کو بطور پیشین گوئی کے پہلے ہی سے فتح و نصرت کی خبر دیدی تھی۔ اور فتح کر کے واپس آنے کا دن بھی مقرر فرما دیا تھا۔ کہ فلاں دن واپس آجانا۔ یہ لوگ بموجب حکم کے گئے۔ اور حضرت کی پیشگوئی کے موافق فتح پائی۔ اور ان کو انکی بغاوت اور کردار کی قرار واقعی سزا دی۔ مگر واپس کرتے وقت راستہ میں کوئی ندی

پڑی ہوئی تھی اس وجہ سے پانی اتر جانے کے انتظار میں توقف کرنا پڑا اور واپس آنے کے دن واپس نہ آسکے۔ منافق بدخبرے جو گھات میں لگے رہتے تھے انہوں نے یہ افواہ اڑادی کہ مسلمانوں کا سارا لشکر تباہ ہو گیا۔ ایک آدمی بھی نہ بچا جو آکر خبر دیتا۔ اس افواہ بد سے مسلمانوں کو بہت تشویش ہوئی۔ اسی رفع شورش کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اس صورت میں ان سواروں کے گھوڑوں کا اور دشمن کی جماعت میں گھس جانے کا ذکر کر کے مسلمانوں کی تسلی کر دی۔

ابن عباس نے کہا۔ کہ جناب رسول اللہ نے ایک رسالہ سواروں کا بھیجا تھا۔ ایک ماہ تک ان کی خبر کچھ نہ آئی۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ کہ وہ اس کام میں مشغول ہیں۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی ہانپتے ہوئے

ضبح لح لح کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ دوڑتے وقت گھوڑے کے پیٹ میں سے آواز نکلتی ہے جس کو ہندی میں ہانپنا کہتے ہیں

عادیات جمع ہے عادیہ کی۔ عادیہ گھوڑے کی دوڑ کو کہتے ہیں جو تیز دوڑے فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا۔ پھر قسم ہے ان گھوڑوں کی کہ آگ جھاڑتے ہیں۔ یعنی ان کے نعلوں کی رگڑ سے پتھریلی زمین اور پہاڑوں کے پتھروں سے آگ جھڑتی ہے فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا پھر قسم ہے ان گھوڑوں کی کہ صبح کے وقت دھاوا کر کے ان پر لوٹ مار کرتے ہیں۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا۔ پھر وہ گھوڑے صبح کے وقت گرد و غبار اٹھاتے ہیں فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا پھر گھس گئے دشمنوں کے انبوہ میں اور ان کو تتر بتر کر دیا۔

یہاں تک ان سواروں کا حال بیان کر کے مسلمانوں کی تسلی فرمائی۔ اب ان بدخبروں کی طرف اشارہ ہے۔ یا عام انسانوں کی ایک حالت کا بیان ہے کہ مصائب کو گنتا ہے اس کا ہر ایک سے ذکر کرتا ہے۔ نعماء الہی کو یاد نہیں کرتا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ بے شک آدمی اپنے رب کا ناشکرا ہے

کنود کے معنی کفور ناشکرے کے ہیں۔ یہی قول ابن عباس و ربیع بن انس و سعید بن جبیر و محمد بن قیس و ابو الجوزا و ابو العالیہ و ابو الضحیٰ و ضحاک و قتادہ و مجاہد و حسن و ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہم اجمعین کا۔

ابو امامہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ نے کنود اس ناشکرے کو کہتے ہیں جو تنہا کھاوے اور اپنے غلام کو مار پیٹ کرے۔ اور مہمان کو نہ دے (افسوس ہے اس شخص پر جو کتے کی طرح تنہا خوری کرتا ہے۔ آپ تو جو کچھ ملے آپ ہی سارا کر لیتا ہے۔ بیوی بچوں کی خبر نہیں لیتا۔ جب غلام اور مہمان کو نہ کھلانیوالا خدا کا ناشکرہ ہے۔ تو ایسے شخص کا کیا حال ہوگا جو بیوی بچوں کی خبر نہ لے) اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے اور ابن جریر نے بھی اس حدیث کو موقوفا بیان کیا ہے۔

اور اللہ کی نعمت سے انسان کی ناشکری کئی طرح پر ہے۔ اول یہ کہ نعمت کو منعم حقیقی کی طرف سے نہ سمجھے۔ دوسرے کی طرف نسبت کرے جیسے بعض جاہل کہہ اٹھتے ہیں۔ کہ فلاں پیر نے بیٹا دیا۔ یا میرا مرض فلاں بزرگ نے کہہ دیا۔ یا اس دوائے یا اس تعویذ سے جاتا رہا۔ دوسرے یہ کہ اس نعمت سے وہ فائدہ نہ اٹھائے جس کے واسطے وہ نعمت دی گئی ہے۔ مگر انسان اس کو جھوٹ اور ناحق گوئی۔ غیبت اور چغل خوری فساد بازی اور فتنہ پردازی اور فحش اور بے کار اور محض مشغول بلکہ اس میں صرف کرے۔ اسی طرح ہر نعمت مالی اور جسمانی کو قیاس کر لینا چاہیے۔

تیسرے یہ کہ اس نعمت میں اس قدر مشغول ہو جاوے کہ منعم حقیقی کو بھی بھلا بیٹھے یا اس نعمت کی محبت اس قدر راسخ کہ دل پر غالب ہو جائے کہ نعمت دینے والے کو بھی بھول جائے جیسے اکثر دنیا دار دنیا کی محبت میں اس قدر غرق ہو جاتے ہیں۔ کہ رات دن اسی کی محبت میں پھنسے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ حقوق اللہ اور حقوق عباد سے

بے خبر اور بے پروا ہو جاتے ہیں۔ وَاِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیْدٌ اور مقرر آدمی پر اس کی ناشکری ظاہر ہے۔

محمد بن کعب قرضی نے کہا۔ کہ ضمیر اِنَّہٗ کی انسان کی طرف عائد ہے۔ کہ اپنے ناشکر ہونے پر زبان حال سے خود گواہی دیتا ہے۔ یا یہ کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کہتا ہے کہ وہ فلاں نعمت کی ناشکری کرتا ہے حالانکہ اپنے حال پر غور کرے تو خود بھی بہت سی نعمتوں کا ناشکر ہوتا ہے کیونکہ خدا کی نعمتیں ہر ہر انسان پر بے گنتی ہیں۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا پ۱۴ اگر تم خدا کی نعمتوں کی گنتی کرنی چاہو گے۔ تو کبھی گنتی پوری نہ کر سکو گے۔

یا یہ مطلب ہے کہ یہ حال انسان کے ناشکرہ ہونے کا اس کے اقوال اور احوال سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ فرمایا مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ شٰھِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ بِالْکُفْرِ پ۱۰ مشرکوں کا کام نہیں ہے مسجدوں کا تعمیر کرنا وہ تو اپنی جانوں پر کفر و ناشکری کے آپ گواہ ہیں)

وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ (اور بے شک انسان مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔ مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ مال کی محبت میں سخت ہو دوسرا یہ کہ حریص اور بخیل ہے اور یہ دونو معنی صحیح ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آخرت کی محبت دلائی اور دنیا سے بے رغبتی اور انجام کار پر تنبیہ فرمائی اور جو حال آئندہ گذرنے والا ہے اس سے آگاہ کیا۔ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ۔ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ (کیا آدمی اس وقت کو نہیں جانتا۔ کہ قبروں سے مردوں کو نکالا جائے گا۔ اور ظاہر ہو جائے گا جو سینوں میں ہے۔

ابن عباس نے فرمایا۔ کہ دلوں کے راز کھل پڑیں گے۔ یعنی انسان کو اس دن کی خبر نہیں۔ کہ جب مردے قبروں سے نکالے جائیں گے۔ اور دلوں کے راز آشکارا ہو جائیں گے

تو ہر شخص جان لے گا۔ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ اس دن کی ان کے رب کو سب خبر ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ اَوِ الْمَدِيْنَةِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْقَارِعَةُ ۙ مَا الْقَارِعَةُ ۚ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ ۗ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۗ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۗ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۗ وَمَا اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ ۗ نَارٌ حَامِيَةٌ

قیامت کیا ہے۔ قیامت۔ تم کیا سمجھے قیامت کیا ہے۔ اس دن آدمیوں کا حال ایسا ہوگا جیسے پراگندہ ٹڈیاں اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی روئی۔ پھر جس کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہوگا وہ من مانتے عیش کریگا

اور جس کے نیک اعمال کا پلہ ہلکا ہوگا وہ اپنی ماں ہاویہ کی گود میں ہوگا۔

اور تم جانتے ہو ہاویہ کیا ہے وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

تفسیر اس سورۃ کی گیارہ آیتیں ۳۶ کلمے ڈیڑھ سو حروف ہیں۔ اِلٰہ کا نام

قارعہ اس واسطے رکھا کہ یہ سورت ایک سخت حادثہ پر دلالت کرتی ہے جو قیامت میں واقع ہوگا جس کی تاثیر سے پہاڑ جو نہایت سخت چیز ہیں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ہلکے ہو کر مثل دھنکی ہوئی روئی کے ہو جائیں گے۔ اور قارعہ قیامت کا ایک نام بھی ہے جیسے حاقہ غاشیہ، طامہ، صاخہ

اَلْقَارِعَةُ کھڑکھڑانے والی۔ یعنی قیامت مَا الْقَارِعَةُ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی جس سے ایسا انقلاب عظیم واقعہ ہوگا۔ کہ دلوں کو سخت صدمہ پہنچائیگی اور بلبلہ کی لپیٹ کرے گی۔ اور اس کی اس قدر سختی کا سبب کیا ہوگا۔ اور کیا وجہ ہوگی۔

وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْقَارِعَةُ اے ہمارے حبیب تم اس کھڑکھڑانے والے حادثے یعنی قیامت کی حقیقت کو کیا جانتے ہو۔ کیونکہ ہر چیز کا جاننا پہچاننا اس کے اسباب کے جاننے پر موقوف ہے اور قیامت کے قائم ہونے کے اسباب میں سے بڑا رب اس عالم پر قہر الٰہی کی تجلی ہے۔ جس کی پوری پوری حقیقت کسی بشر کو اس عالم میں معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس کی بعض تاثیروں کا بیان کرنا کافی ہے اور وہ یہ ہیں۔ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ وہ حادثہ ایسا عظیم ہوگا۔ کہ تمام آدمی پتنگوں کی طرح بکھرے ہوئے پریشان پھریں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھریں گے۔ دوسری جگہ فرمایا کانھم جراد منتشر جیسے ٹڈیاں پھیل پڑیں اور پہاڑوں کے حق میں فرمایا وبست الجبال بسًا۔ یعنی ہر بوجھل چیز اس حادثہ کی تاثیر سے ہلکی ہو جائے گی۔ لیکن وہ اعمال جن کا بجا لانا دنیا میں آدمی کے دل پر بھاری تھا۔ ان کو محض اللہ کے خوف سے جھوڑ دیا، ترک کر دیا۔ یہ بوجھل کام دلپر بھاری ہیں اور بوجھل ہی رہیں گے۔ ہلکے نہ ہونگے جیسے قیود رسمیات آبائی کا چھوڑنا کنبے اور عزیزوں اور دوستوں کے مقابل حق کا قبول کر لینا۔ اور ہر حالت میں سچی بات کہنا۔ یا گواہی کے وقت ہر موقع پر موافق

اور مخالف کے مقابل بلا رعایت اپنے اور بیگانے کے سچ پر قایم رہنا یا فاقہ پاکر طلب معافی پر مخالف اور دشمن کو معاف کر دینا۔ اور باوجود قدرت کے برائی کے عوض میں برائی نہ کرنا۔ بلکہ نیکی کرنا یا کڑکڑاتے جاڑے میں نماز کے لیے گرم بستر سے اٹھکر وضو یا غسل کرنا۔ یا گرمی کے ایام میں صبح کے وقت کی میٹھی نیند چھوڑکر عبادت الہی یعنی نماز میں مشغول ہونا۔ یا گرمی کی شدت اور چلچلاتی دھوپ میں نماز کے لیے مسجد میں جانا۔ اور مثل اس کے جو کام انسان پر بھاری ہوں ان کا رضائے الہی کے واسطے بجالانا باعث ہوگا ثقل اعمال کا میزان میں۔ چنانچہ فرمایا۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ الرَّاضِیَةٍ۔ جس کے اعمال بھاری ہوگئے اس کو من لمانے عیش ہیں۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ اور جس شخص کے اعمال ہلکے ہوگئے۔ تو دوزخ کا گڑھا اس کا ٹھکانا ہے۔ اور یہ سبکی اعمال میں اس وجہ سے ہوگی۔ کہ وہ اعمال جو ریاکاری اور نفس کی خواہش سے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک انکی کچھ قدر نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اعمال اپنے مولا کی رضا جوئی اور فرمانبرداری کی غرض سے نہ تھے۔ بلکہ رسم وعادت کے طرز پر نفس کی خواہش کے موافق تھے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا کچھ بھی وزن نہیں۔ وہ ضایع اور بے کار ہے۔

وَمَا اَدْرٰکَ مَا هِیَهْ اور تم نے کیا سمجھا ہاویہ کیا ہے۔ تم اس ہاویہ کو عذابوں کی کیفیت اور حقیقت کو سوائے اس کے نہیں سمجھ سکتے۔ کہ نَارٌ حَامِیَه ایک آگ ہے دہکتی ہوئی۔ کہ جس کے مقابلہ میں دوزخ کے دوسرے طبقوں کی آگ کو گرم ہی نہ سمجھنا چاہیے۔ حالانکہ دنیا کی آگ سے دوزخ کی آگ ستر حصہ زیادہ گرم ہے چنانچہ بخاری ومسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ نے کہ یہ آگ جس کو دنیا میں بنی آدم سلگاتے ہیں ایک حصہ ہے اور دوزخ کی آگ کے ستر

حصوں میں ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہی آگ کافی تھی فرمایا وہ آگ اس آگ سے ۶۹ حصے بڑھ کر ہے۔ دوزخ کی آگ کا زیادہ تیز ہونا یا دوزخ کے اور طبقات سے طبقہ ہاویہ کی آگ کا زیادہ تیز ہونا کچھ عجب نہیں ہے۔ نئے اپلوں کی آگ سے پرانے اپلوں کی آگ زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اور لکڑی کی آگ اپلوں کی آگ سے سخت ہوتی ہے اور پتھر کے کوئلے کی آگ لکڑی کی آگ سے بدرجہا تیز ہوتی ہے اجارنا اللہ بمنہ وکرمہ

اشعث بن عبداللہ کہتے ہیں۔ مومن جب مرتا ہے تو اس کی روح کو مومنین کی ارواح کی طرف لے جاتے ہیں، وہ کہتے ہیں اپنے بھائی کو آرام دو، دنیا میں غم و وہم میں تھا۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ فلاں کا کیا حال ہے وہ کہتا ہے مرگیا کیا نہیں آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں تو ہمارے پاس نہیں آیا۔ اس کو اس کی ماں ہاویہ کے پاس لے گئے ہونگے۔ اس کو ابن جریر اور مردویہ نے روایت کیا ہے اور انس بن مالک نے بھی اس حدیث کو رفعاً بہت بسط کے ساتھ روایت کیا ہے حامیہ کے معنیٰ ہیں شدید الحر۔ انس بن مالک اور عمر رضی اللہ سے رفعاً یہ روایت ہے کہ فرمایا دوزخ کی آگ تمہاری اس آگ سے شدت اور تیزی میں بہت زیادہ ہے اعاذنا اللہ منہا برحمتہ یا ارحم الراحمین ؕ

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ هِيَ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ	تم کو زیادہ طلبی کی حرص نے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ نہیں نہیں اب جان لوگے۔

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

پھر ہم کہہ دیتے ہیں نہیں نہیں اب جان لوگے۔ یوں نہیں اگر تم کو اسکی حقیقت کا علم الیقین ہوتا۔ تو غافل نہ رہتے اتم کو دوزخ کا دیکھنا ضرور ہے پھر ضرور اس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھہ لوگے۔ پھر اس دن تم سے دنیا کے آرام کی حقیقت پوچھیں گے۔

تفسیر۔ اس سورت کی آٹھ آیتیں۔ اٹھائیس کلمے اور ایک سو تیس حروف ہیں۔ اور مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ نازل ہونے کا سبب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ قبیلہ قریش کے دو گروہ تھے ایک بنو سہم کہ اطاس بن وائل سہمی اس گروہ کا سردار تہا۔ دوسرا بنو عبد مناف جس میں ہمارے سید و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ان دونوں میں باہم تفاخر اور بڑائی کی بحث و تکرار ہونے لگی اور ہر اک اپنے اپنے فخر اور بڑائی کی ڈینگیں ہانکنے لگا۔ ایک نے کہا مال کے خرچ کرنے اور شادیوں کو دہوم دہام سے کرنے اور ضیافت اور نام آوری کے کاموں میں بے دریغ روپیہ اٹہانے میں ہمارا گروہ بڑہا ہوا ہے دوسرے نے کہا پختہ عمارتوں کے بنانے اور میلے تماشوں میں ڈوم ڈہاری بہاٹ بہنڈ ہوں کرکمینوں اور رسموں میں ہمارے اولادت صرف کرنے کی دہوم ہے۔ القصہ نوبت اس فخر و بڑائی کی یہانتک پہنچی۔ کہ آدمی گنے جانے لگے۔ تو بنو عبد مناف کے گروہ کے آدمی زیادہ نکلے بنو سہم نے کہا۔ کہ ہمارے گروہ کے لوگ لڑائیوں میں زیادہ نکلے بنو سہم نے کہا کہ ہمارے گروہ کے لوگ لڑائیوں میں زیادہ مارے گئے ہیں۔ تو اب

گورستان میں جاکر قبروں کا شمار ہونے لگا۔ کہ کس گروہ کی قبریں زیادہ ہیں ان لوگوں کی غفلت اور جہالت اور بے خبری لے جا تعلی بیہودہ فخر اور بے کار اور بے سود کاموں میں روپیہ صرف کرنے کی مذمت اور اصل مقصود سے غافل اور بے خبر رہنے کی برائی میں اور انسان کو انجام کار صورت پیش آتی ہے۔ اس کی اطلاع میں یہ سورت نازل فرمائی۔ اور چونکہ اس صورت میں تکاثر کی مذمت ہے اس کا یہی نام رکھا۔

مطلب اس کا یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ان باتوں سے ایسا ڈرنا چاہیئے جیسا قیامت سے تکاثر خدا اور بندے کے درمیان بڑا حجاب ہے اور ہر حجاب کے پیچھے عذاب ہے یا اللہ تو ہم کو بچا ہم کو ان حجابوں سے اور اپنی پناہ میں رکھ ہم کو عذابوں سے آمین۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (غفلت میں رکھا دیا ہلاک کر دیا) تم کو بہتات اور بڑائی کی حرص نے بے جا طور پر افزوں طلبی کی حرص کو تکاثر کہتے ہیں انسان میں یہ صفت مثل منہ زور گھوڑے کے ہوتی ہے۔ اگر اس کی باگ کو ڈھیلا کر دیا جائے تو ایسا سرپٹ دوڑتا ہے کہ پھر اس کا روکنا سوار کاری کو بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ بلکہ شہسوار کی جان کو بھی خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ پس اگر مال کی زیادہ طلبی میں اس حرص کے گھوڑے کی باگ کو ڈھیلا کر دیا۔ تو حرام و حلال کا بھی خیال نہیں رکھتا جس طریق اور جس صورت سے ہو سکے جمع کرنا بہتر سمجھتا ہے اور اگر نام اور شہرت کی زیادہ طلبی میں اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دیں تو بے جا اور بے محل صرف میں اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ باگ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر شہوت رانی کی حرص میں یا شراب خوری میں اسکی باگ سے دھیان چوک جائے تو لحاظ قوم اور پاس ایمان تک کو روندتا ہوا آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اگر وجاہت کی زیادہ طلبی میں اس کی باگ بدسے ہاتھ کو ڈھیلا کر دیا۔ تو امام حسین جیسے شخص کے قتل کرنے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتا غرضکہ یہ صفت

ایسی مذموم ہے کہ انسان کو مرتبہ انسانیت سے گرا کے ایمان و اسلام کی تمام خوبیوں سے کھو دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اپنی نوع یعنی دوسرے آدمیوں کے حقوق سے بلکہ اپنے نفس تک کے حق سے غافل کر دیتی ہے اور اس غفلت کے سبب سے آدمی کو جو جو نعمتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے جسمانی اور روحانی مالی اور اعوانی عطا فرمائی ہیں۔ ان کو اس محل پر خرچ کرنے سے جس محل پر خرچ کرنے کے واسطے وہ نعمتیں اور قوتیں دی گئی ہیں محروم رہتا ہے، یہاں تک کہ اس غفلت میں وہ وقت آجاتا ہے کہ اس وقت ان سب لذتوں اور نعمتوں کا زوال ہو جاتا ہے جس کا نام موت ہے۔ چنانچہ اسی طرف اشارہ ہے اس لفظ میں کہ فرمایا حتیٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ یہاں تک کہ آ دیکھا تم نے قبروں کو۔ یعنی اس غفلت کے دریا میں غرق ہو کر تم ایسے بے خبر ہو گئے۔ کہ ہلاک ہو گئے مر گئے قبروں میں جا پڑے مٹ گئے خاک میں مل گئے اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ ہم مر کر مٹی ہو گئے تو کیا ہم جو کچھ کما کر دولت چھوڑ جائیں گے اس سے ہمارا نام ہمارے وارث قایم رکھیں گے یا جن کو دے کر ہم نے خوش کیا ہے وہ ہمارا بڑائی سے نام لیتے رہیں گے۔ تو فرمایا تمہارا یہ خیال غلط ہے کَلَّا ہرگز یوں نہیں ہے جس طرح تم سمجھتے ہو۔ تمہاری ضیافتوں کے کھانے والے اور تمہارے یہاں کے بھنڈ یلے، بھاٹ میراثی ڈوم ڈھاری تمہارا چڑھا بڑھا کر نام لینے والے تمہارے فرزند تمہارے وارث جن کی چھٹی بیاہ میں تم نے روپیہ صرف کیا یا جن کو دیا ہے یا جن کے واسطے جا اور بے جا ذرائع سے جمع کر کے چھوڑا ہے یہ سب فنا ہو جائیں گے اور تمہاری پختہ عمارتیں، دوسروں کے قبضہ میں جائیں گی یا ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر ہو جائیں گی اور تمہارا کوئی خیر و خوبی سے نام لینے والا بھی نہ رہیگا۔ جو چیزیں فانی اور فنا ہونے والی ہیں۔ ہرگز قابل فخر نہیں ہو سکتیں، بعد موت کے ایک اور ہی صورت پیش آئے گی جس کے مقابل تمہارے یہ نام و نمود کے خیال اور بڑائی و فخر کی ڈینگیں

بے سود محض ہو جائیں گی۔ اور یہ معاملہ کچھ دور نہیں ہے۔ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۵
اب جان لوگے یعنی دم نکلنے کے بعد تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سب کام جن میں تم
نے اپنی عمریں صرف کی ہیں تمہارے واسطے مضر اور تمہاری اصلی راہ میں مخل تھے
بلکہ تمہارا حرام وسیلوں اور ذرائع سے روپیہ کمانے میں جان کھپانا اور پھر اس کو
بے جا مواقع اور غیر محل پر صرف کرنا یہ دونو کام ابدی نعمتوں سے محروم ہو جانے کا
اور اللہ سے حجاب کا باعث ہونگے اور یہی حال ہے تمہاری بے جا اور غیر محل خیرات کا
جو اس طریقے اور حکم کے خلاف کی جاتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے فرما دیئے
ہیں۔ اور ٹھکانے اور محل بتلا دیئے ہیں۔ یاد رکھو کام وہی کام آئیں گے جو خالص
اللہ کے واسطے ہونگے اس واسطے فرمایا ثُمَّ کَلَّا پھر بھی ہرگز یوں نہیں ہے جو تم سمجھتے
ہو سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ اب جان لوگے جب عالم برزخ میں دو بدو معاملہ پیش ہوگا
اور تم اپنے ان اعمال کو جو نخر و نمود کے لئے کئے تھے پوچ و ہیچ پاؤ گے۔ اور ان
اسراف بے جا سے اس وقت پچھتاؤ گے اور کہو گے ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا
نعمل صالحا انا موقنون (سجدہ) اے رب ہم نے دیکھ لیا۔ اور رب سن لیا۔
اب ہم کو دنیا میں پھر بھیج۔ کہ ہم بھلائی کریں۔ اب ہم کو یقین آگیا، مگر اس وقت
کا پچھتانا کام نہ آئے گا۔ یہ اول مرتبہ کا جاننا اس وقت شروع ہو جاتا ہے جب آدمی
کو موت کے آثار معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اور مرنے پر یقین ہو کر آدمی زندگی سے بالکل
مایوس ہو جاتا ہے۔ پھر اس عالم دنیا سے غفلت ہوتی اور اس عالم کے حالات کھلنا
شروع ہوتے ہیں۔ اور جزائے نیک یا سزا و عذاب کے آثار کو دیکھنے لگتا ہے۔

اب ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی بڑائی اور فخر نہ کرو کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ
یوں نہیں اگر جان لو یقین کا جاننا جس میں کچھ شبہ و شک نہ ہو اور حجاب ظلمانی
تم سے دور ہو جائیں۔ تو البتہ جان لوگے۔ اور یہ جان لینا ضرور ہے لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۵

ضرور دیکھو گے تم دوزخ کو۔ یعنی جب قبر میں جاؤ گے اور نکیرین سے سوال و جواب ہوگا اس وقت دیکھ لوگے اور جان لوگے کہ جو کچھ تم نے کیا ہے یہ سب کام تمہارے ضرر کا سبب اور تمہاری راہ میں خلل ڈالنے والے تھے ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ پھر دیکھوگے تم دوزخ اور اس کے عذابوں کو۔ یقین کا دیکھنا جس میں احتمال شبہ کا اور وہم غلطی کا باقی ہی نہ رہیگا۔ اور یہ دیکھنا قیامت کو ہوگا۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۔ پھر اس دن تم سے ضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کا حال آرام کی حقیقت اور یہ سوال تین طرح سے ہوگا

اول یہ سوال ہوگا۔ کہ جو کچھ تم نے کمایا اس کے ذریعے حلال تھے یا حرام، جائز تھے یا ناجائز، دوسرا سوال یہ ہوگا۔ کہ اُن نعمتوں کو کہاں صرف کیا۔ اللہ کی رضامندی کے کاموں میں یا نارضامندی کے کاموں میں۔ اگر زکوٰۃ خیرات دی ہے تو جو حقوق اللہ تعالےٰ نے تمہارے مالوں میں لگائے تھے۔ اور جن لوگوں کا لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا تھا۔ انہی لوگوں پر خرچ کیا ہے یا بے محل اور بے لوگوں کا نے جہاں اپنا دل چاہا دے دیا۔ تیسرا سوال یہ ہوگا۔ کہ تم نے ان نعمتوں کے کیا شکر ادا کئے ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ صحت بدن اور فراغت قلب اور سمع بصر اللہ تعالےٰ کی نعمتیں ہیں اور قیامت کو اللہ تعالےٰ پوچھے گا۔ کہ ان قوتوں کا کہاں کہاں استعمال کیا۔ کس کس جگہ صرف میں لائے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے انسان کی پوچھ ہوگی۔

بخاری شریف میں ہے کہ فرمایا حضور سرور عالم نے کہ دو نعمتوں کے شکر میں اکثر لوگ غافل ہیں۔ صحت اور فراغ۔ بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ فرمایا حضور صلعم نے۔ کہ ٹھنڈا پانی، سایہ دار مکان، اور جو کچھ قدر ضرورت سے زیادہ ہے

سے سب سے سوال ہو گا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضور دوپہر کے وقت تشریف لائے حضرت ابوبکر کو بھی مسجد میں حاضر پایا۔ فرمایا تم اس وقت کیونکر آئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ جو چیز حضور کو گھر سے باہر لائی ہے وہی میرے بھی یہاں آنے کا سبب ہوئی۔ اتنے میں حضرت عمر فاروق بھی آ گئے حضرت نے ان سے پوچھا تم کیونکر آئے انہوں نے کہا مجھ کو بھی اسی ضرورت نے نکالا ہے جو آپ دونو کو یہاں لائی ہے (یعنی بھوک) تب حضور نے فرمایا تم دونو اس درخت تک میرے ساتھ چلو۔ وہاں کھانا پانی اور سایہ ملے گا۔ وہاں سے آپ ابن تیہان اور ابی ہیثم انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔ اور ان کو آواز دی وہ آ گئے اور حضور انور کے جمال جہاں آرا سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ اور کہا حضور تشریف رکھیں اور یہ کہہ کر ایک کھجور کے درخت پر چڑھ گیا اور خوشے توڑنے شروع کئے۔ حضور اعلیٰ نے فرمایا بس اے ابو ہیثم اس نے کہا یا رسول اللہ آپ گدر اور پکی دونو کھائیں۔ پھر جا کر ٹھنڈا پانی لے آیا سب نے وہ کھجوریں کھائیں اور ٹھنڈا پانی پیا۔ حضور نے فرمایا ھٰذَا مِنَ النَّعِیْمِ الَّذِیْ تُسْئَلُوْنَ عَنْہُ یعنی نعمائے الٰہی میں سے یہ ایسی نعمت ہے جس کا تم سے سوال ہو گا۔ اسی طرح کی ایک روایت کو ابن جریر نے بھی ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ابو عسیب کہتے ہیں۔ ایک رات کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھ کو پکارا میں حاضر ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور ان کو پکارا اور وہ آ گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کو بلایا وہ بھی حاضر ہوئے پھر انصار کے کسی باغ میں تشریف لے گئے اور صاحب باغ سے کہا ہمیں کچھ کھلاؤ وہ ایک بڑا سا خوشہ کھجور کا لایا۔ اور حضرت عمر نے اس کی کھجوریں زمین پر جھاڑیں اور حضور نے مع اصحاب کے تناول فرمائیں۔ پھر ٹھنڈا پانی طلب فرمایا اس کو نوش

کیا حضرت عمر نے سوال کیا یا رسول اللہ کیا قیامت میں ہم سے اس کا سوال ہی ہوگا۔ فرمایا ہاں سوال ہوگا۔ مگر تین چیز کا سوال نہ ہوگا۔ اتنا کپڑا جس سے تن ڈھکے اور اس قدر روٹی جس سے بھوک جاتی رہے، اور ایک سوراخ یعنی جھونپڑا جس میں سردی گرمی کے وقت داخل ہو جائے۔

محمود بن ربیع کہتے ہیں جس وقت یہ سورت اتری بعض صحابہ نے سوال کیا کیا رسول اللہ ہم سے کن نعمتوں کا سوال ہوگا، یہاں یہی پانی اور کھجوریں ہیں اور کندھے پر تلواریں اور دشمن سر پر، حضور نے فرمایا مسلمانوں کو وہ چین ہونے والا ہے جو عرب کو کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے، جب اللہ نے حضور کی یہ پیشین گوئی پوری کی۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رب سے پہلے قیامت میں جس چیز کا سوال ہوگا۔ وہ یہ نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھے گا۔ کیا ہم نے تیرے بدن کو صحت نہیں دی تھی۔ کیا تجھ کو ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ سورت اتری۔ تو بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آدھا پیٹ کھاتے ہیں۔ ہم سے کن نعمتوں کا سوال ہوگا۔ وحی آئی ان سے پوچھو کیا تم ٹھنڈا پانی نہیں پیتے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ صحت و امن اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں۔ ان سے قیامت کے دن سوال ہوگا۔ کہ تم نے باوجود پانے زمانہ امن اور صحت بدن کے دین کا کیا کام کیا۔ اسلام کی کیا خدمت ادا کی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ میٹھی نیند گرمی میں ٹھنڈی ہوا دھوپ اور سردی سے بچانے کو سایہ اور سایہ دار مکان، شیریں اور خنک پانی، قرآن۔ اسلام اور ہمارے سید و مولا حضور صلعم، زمانہ امن و تندرستی یہ تمام نعمتیں ایسی ہیں کہ قیامت تک سب پر برابر

ہیں۔ اور سب ہی پر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا فرض ہے۔ اور جس طرح مال کا شکر زکوٰۃ ہے اسی طرح ہر قوت جسمانی کا خدا کی راہ میں صرف کرنا۔ ان قوتوں کا شکر ادا کرنا ہے اسلام کا شکر دوسری قوموں کو اسلام پہنچانا۔ قران اور حضور کی تعلیم کا خدا انام منجانب اللہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ قران اور حضور انور کا شکر ہے۔ اور جو کوئی حضرت پر اعتراض کرے اس کا تسلی بخش جواب دینا ہی اس نعمت کا شکر ہے اصل یہ ہے کہ ہم کو اور ہماری تمام جسمانی اور مالی اور روحانی قوتوں کو خدا نے دیا ہے خدا ہی کی فرمانبرداری اور رضامندی میں اس کا صرف کرنا ان نعمتوں کا شکر ہے۔

عبد اللہ بن شخیر کہتے ہیں۔ کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے یا آپ پر یہ سورت اتری تھی فرمانے لگے آدمی زاد کہتا ہے یہ مال میرا ہے یہ مال میرا ہے۔ تیرا اتنا ہی تیرا ہے۔ مگر اس کا اتنا ہی ہے جتنا اس نے کھا لیا۔ اس کو مسلم اور ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے

ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ حضور نے فرمایا۔ کہ بندہ کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال اس کے لئے تین چیزیں ہیں۔ ایک وہ جو کچھ کھا کر فنا کر دیا۔ دوسرے جو کچھ پہن کر پرانا کر دیا تیسرے جو کچھ اللہ کی رضامندی میں صدقہ و خیرات دیکر جمع کر دیا۔ باقی سب دوسرے لوگوں کے لئے جوڑ جائے گا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے

جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں۔ حضور نے ہم سے فرمایا۔ کہ میں تم پر سورہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھتا ہوں۔ جو کوئی تم میں سے اس کو سن کر روئے گا۔ اس کے لئے جنت ہے۔ پھر آپ نے یہ سورت پڑھی تو کوئی ہم سے رویا اور کوئی نہیں رویا۔ جو نہ روئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو رونا نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا میں دوبارہ پڑھتا ہوں۔ جو کوئی روئے اس کے لئے بہشت ہے جو کوئی نہ رو سکے وہ رونے والے کا سا منہ بنائے اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور ضعیف

کہاہے۔ اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور امام ابن قیم نے اس سورت کی ایک جداگانہ تفسیر لکھی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سورت مومن اور کافر دونوں کے حق میں ہے میں کہتا ہوں یہ صحیح ہے

حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں۔ کہ حضور نے فرمایا۔ جو شخص رات کو ہزار آیتیں پڑھا کرے وہ اللہ تعالیٰ سے ایسے حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو گا۔ عرض کیا یا رسول اللہ کس میں طاقت ہے کہ ہزار آیت پڑھ سکے۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر یہ سورت آخر تک پڑھی ہے اور یہ فرمایا یہ سورت ہزار آیت کے برابر ہے اس حدیث کو خطیب اور دیلمی نے روایت کیا ہے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ نزلت بمكة او بالمدينة ثلث آيات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۧ	عصر کے وقت (ڈھلتے دن اترتے زمانے) کی قسم ہے۔ مقرر انسان ٹوٹے میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ اور ایک دوسرے کو آپس میں صبر کی تاکید کی اور حق کی تقلید کرتے رہے۔

تفسیر یہ سورۃ ابن عباس و جمہور صحابہ کے نزدیک مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اس کی تین آیتیں اور چودہ کلمے اور اڑسٹھ حرف ہیں۔ اس کے نزول کا سبب مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ کلاہ بن اسید جس کو ابو الاشدین کہتے تھے۔ ایام جاہلیت میں امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق کا ہم نشین اور ہم صحبت تھا۔ آپ کے مسلمان

ہونے کے بعد ایک دن آپ سے کہنے لگا۔ کہ اے ابو بکر تم ہم میں نہایت عقلمند اور ہوشیار تھے اور فن تجارت میں رب سے زیادہ نفع اٹھاتے رہے تم کو کیا ہو گیا کہ باپ دادا کے دین کو چھوڑکر اور یار و آشنا عزیز و اقارب سے منہ موڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا اس سے تم بڑے ٹوٹے میں پڑ گئے۔ آپ نے فرمایا تو بڑا نادان ہے جو شخص حق قبول کرتا ہے وہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔ گھاٹے میں وہی ہے۔ جو حق سے محروم ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کی تائید میں یہ سورت نازل فرمائی۔ اور چونکہ اس سورت کے شروع میں عصر کی قسم کھائی ہے اس واسطے اس کا نام بھی سورۂ عصر رکھا۔

وَالعَصرِ عصر کے وقت کی قسم۔ عصر کے دو معنی ہیں۔ ایک تو زمانہ جس میں انسان کی عمر بھی شامل ہے۔ اور انسان کی عمر ایک نفیس چیز اور عمدہ پونجی ہے۔ جو دینی اور دنیاوی کمالات کے حاصل کرنے کا آلہ ہے یا یوں کہو کہ دینی اور دنیوی تجارت کا راس المال ہے۔ مگر اس نفیس اور عزیز پونجی کی مثال برف کی سی ہے کہ خودبخود گھلتی چلی جاتی ہے۔ اگر جھٹ پٹ اس کے بدلے میں قیمت حاصل کر لی تو کر لی ورنہ درصورت تاخیر سراسر خسارہ موجود ہے۔ اسی طرح آدمی نے اگر اپنی عمر عزیز کی عوض میں نفس کے کمالات حاصل کرکے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیا۔ تو مراد کو پہنچا کامیاب ہوا فلاح پائی اور اگر غفلت میں رہا اور اس کے خلاف میں عمر گنوائی تو نفع ایک طرف اصل میں سراسر گھاٹا ہے قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰهَا وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا سورہ شمس

لوگو بقیہ عمر تمام چیزوں سے بے بہا چیز ہے۔ اگر ہزار برس کفر و ضلالت میں گذر گیا مگر بقیہ حصہ عمر کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگ گیا۔ تو بیڑا پار ہے،

دوسرے معنی ہیں اس کے عصر کی نماز کا وقت دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب کی ابتدا کا وقت ہے اس لئے کہ دن کے رخصت ہوتے وقت رات کے آنے کے آثار اس وقت سے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی واسطے عصر کی نماز کی بڑی تاکید اور بہت فضیلت

فرائی ہے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ کہ جس کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تو ایسا ہے کہ اس کا گھر بار لٹ کر تباہ و برباد ہو گیا۔ ترمذی اور مسلم اور فتاوی رضو نے دوسرے معنی لئے ہیں۔

حضرت علی مرتضی رضہ اس کی قراءت یوں کرتے تھے وَالعصرِ والنوائبِ الدھر۔ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرًا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح پڑھا کرتے تھے اس کو عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ فرشتے جو تدبیر عالم اور بندوں کے اعمال لکھنے کے لئے آتے ہیں انکی صبح اور عصر کے وقت بدلی ہوتی ہے اور دنیا کے تمام کاروبار کے نچوڑ کا بھی یہی وقت ہے۔ جس نے اس وقت میں کچھ کما لیا وہ نفع میں رہا۔ اور اس وقت بھی اگر سستی اور غفلت میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔ تو ظاہر نقصان موجود ہے۔ دین کے کاموں میں بقیہ عمر اگر صرف نہ کی اور اجل کی خبر نہیں۔ کس وقت اچانک آن لے تو سراسر ٹوٹا پایا نفع کمانے دنیا میں آیا تھا۔ کہ اصل پونجی گنوا بیٹھا۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

اس واسطے فرمایا اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ بے شک آدمی ٹوٹے میں ہے عمر عزیز آدمی کا راس المال ہے جو دم بدم کم ہوتا جاتا ہے۔ اگر اس راس المال کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اطاعت میں صرف کیا۔ تو فائدہ اٹھایا۔ اور اگر اس عمر عزیز کو دنیا کے فانی مشغلوں اور شہوات نفسانی اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں میں ضائع و برباد کر دیا جو اللہ تعالےٰ کے عذاب، غصہ و غضب کو جوش میں لانے والی چیزیں ہیں تو پلے پر ٹوٹا اٹھایا۔ اور گھاٹے پر گھاٹا کمایا۔

اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ یعنی اپنی عمر سے فائدہ اٹھایا نفع کمایا۔ کیونکہ ایمان ایسی نعمت ہے جس سے سعادت ابدی اور نجات سرمدی کا دائمی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نیک اعمال سے

اخلاق کی درستی باطن کی صفائی اور قلب کا تزکیہ ہوتا ہے جس سے صفات بشری مغلوب ہوکر قوت ملکی انسان میں غالب ہو جاتی ہے جو قرب الہی اور ملائکہ سے ملنے کا سبب ہے اور اس سے انسان دنیا میں مرتبہ عالی اور آخرت میں درجات ملند پاتا ہے اور یہ نفع پر نفع ہے۔ اور اگر ان مراتب کے ساتھ مرتبہ تعلیم اور درجہ ارشاد کی بھی تکمیل کرلی تو اس صورت میں نوراً علی نور ہے اور سود بر سود چنانچہ اس آیت میں اس مرتبہ تعلیم و تکمیل ارشاد کی طرف یوں اشارہ ہے

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور آپس میں ایک کو ایک صبر کی تاکید اور حق کی تقلید کرتے رہتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں میں صبر و حق کی تاکید بطریق عادت کے جاری ہو جائے۔

یہ مرتبہ ارشاد اور پند و وعظ کا ایسا ہے۔ کہ جو کوئی کسی کے سمجھانے سکھانے سے نیک عمل یا دین حق کو قبول کرتا ہے اس کے نیک اعمال کا ثواب اس سمجھانے والے بتانے والے کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک منقطع نہ ہوگا جس طرح صحابہ کرام کی کوشش ارشاد سے تمام امت نے حق دین اور نیک راہ پائی صلاحیت حاصل کی تو اب قیامت تک ان کو ان کے اعمال سے حصہ ثواب کا ملتا رہیگا۔ اور ان میں جو نیک کاموں کی پیروی کرے گا۔ آخرت میں ان کے ساتھ ہوگا۔

اسی وجہ سے جناب رسول اللہ ؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے فرمایا۔ کہ اگر ایک آدمی کو بھی تجھ سے ہدایت ہو جائے تو یہ تیرے دین و دنیا کی خوبیوں اور بھلائیوں کے واسطے کافی ہے اور یہ مرتبہ قرب اور ثواب کا ایسا ہے کہ کوئی نیکی اس کی برابر نہیں ہوسکتی۔ اور یہ مرتبہ کمال منفعت کا ہے کہ تھوڑی عمر میں قرنوں اور زمانوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ عنہم اجمعین کا یہ حال تھا۔ کہ راستے میں

ی جب کسی سے آپس میں ملاقات ہوتی تو یہ سورت ایک دوسرے کو پڑھ کر سنا دیتا۔ پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے اس حدیث کو طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ مگر اس مرتبہ تکمیل بغیر فنائے نفس کے نہیں ہو سکتی اور یہ ایک باریک نکتہ ہے لفظ تواصوا سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ عرف میں وصیت کا لفظ خاص اس چیز کے واسطے بولا جاتا ہے جس کے واسطے مرنے کے بعد وصیت کرتے ہیں۔ مگر قرآن شریف نے تاکید امر کے واسطے بھی فرمایا ہے۔ حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ کہ اس سورۃ میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہی تین چیزیں دین متین اور شریعت و حقیقت کا اصل اصول ہیں۔ فعل مامور ترک محظور۔ صبر علی المقدور

سُورَةُ الْهُمَزَةِ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ وَهِيَ تِسْعُ آيَاتٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۙ	ہر عیب چننے اور غیبت کرنے والے کی خرابی ہے۔ جس نے مال جمع کیا
الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۙ	اس کو گنا ہی کیا۔ خیال کرتا ہے
يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۚ	کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا
كَلَّا ۖ لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۚ	نہیں نہیں اس شخص کو ضرور حطمہ میں پھینکا جائے گا۔ اور تم جانتے ہو
وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۙ نَارُ اللَّهِ	حطمہ کیا ہے۔ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے۔ جو اول دل ہی پر غلبہ کر لیتی ہے۔
الْمُوقَدَةُ ۙ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۙ	
إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِي	یہ لوگ اس آگ میں بند دروازوں کے اندر

لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہونگے۔	عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ

تفسیر یہ سورۃ مکہ معظمہ میں اتری ہے اس میں نو آیتیں تیس کلمے اور چھیانوے حروف ہیں۔ اس کے نازل ہونے کا سبب مفسرین نے یوں لکھا ہے۔ کہ عاص بن وائل سہمی اور ولید بن مغیرہ مخزومی اخنس بن شریق ثقفی جماعت سید و مولا حضور صلعم اور مسلمانوں کی ہر مجلس میں غیبت اور بدگوئی کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اس سورت کا نام سورۂ ہمزہ اس واسطے رکھا ہے کہ یہ سورت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی کسی کی عیب چینی کرے یا کسی پر آوازے کسے یا زبان طعن دراز کرے اور کٹ حجتیوں یا غیبت اور طعن تشنیعوں سے کسی کی آبرو ریزی کرنی چاہیئے وہ سزاوار سخت عذاب الٰہی کا ہے پھر جو شخص احکام الٰہی اور احکام رسالت پناہی کے ساتھ کٹ حجتیاں کرے اس کا کیا حال ہوگا۔ نعوذ باللہ منہا۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ہر شخص جس کی عادت عیب چینی اور طعن و تشنیع کرنے کی ہے خرابی اور تباہی میں ہے، ہماز عیب چینی کرنے والے طعن و تشنیع کرنے والے آوازے کسنے والے کو کہتے ہیں۔ اور لماز آنکھ سر یا منہ سے یا ہاتھ سے کسی کی تحقیر کا اشارہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں۔ کہ ہماز قول میں آتا ہے اور لماز فعل میں، مراد اس سے ایسا شخص ہوتا ہے۔ جو کسی کی ذلت اور تحقیر کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ چن چن کے نقصان نکالتا ہے ڈھونڈ ڈھونڈ کے عیب بیان کرتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ لماز وہ شخص ہے جو کسی کی غیبت اور عیب جوئی میں مبتلا رہے، ربیع بن انس رضہ نے فرمایا جو کسی کے منہ در منہ طعن و تشنیع کرے وہ ہماز ہے اور جو پیچھے کرے وہ لماز ہے۔ قتادہ کہتے ہیں جو زبان سے کسی کو برا کہے وہ ہماز ہے جو آنکھ سے کسی کی تحقیر کرے وہ لماز ہے وہ طعنہ زنی کرتا ہے

بُرا کہتا ہے، مردہ کا گوشت کھاتا ہے، فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ حجرات تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ کے پیچھے بُرا نہ کہے، کیا تم میں سے کوئی اس کو گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، پس ایسا نہ کرسکوگے، تو کسی مسلمان بھائی کو پیٹھ پیچھے برا کہنا ایسا ہی ہے جیسے مردے کا گوشت کھانا یہ بھی نہ کرو

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں، کہ ہمز اور لمز دونو لفظ قریب المعنی ہیں مراد اس تکرار سے تاکید ہے کہ آدمی کسی کی بے آبروئی اور ذلت کے درپے نہ ہو اور اس بد کام سے بچنے اور اس موذی و نابکار کام میں مبتلا ہونے کے چند سبب ہوتے ہیں، ازاں جملہ ایک حسد ہے کہ امراض نفسی میں سے یہ مرض سخت مہلک ہے کہ حاسد کا دل کسی کی جاہ اور بھلائی اور نعمت کو دیکھ کر یا سن کر اس کی برداشت ہی نہیں کرسکتا۔ اور جب محسود کا زوال نعمت و جاہ اس کی قوت سے باہر ہوتا ہے تو زبان طعن دراز کر کے اسکی بدنامی کی شہرت سے اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے۔ اور یہ عمل بطعن کے طور پر نسب میں، شکل میں، افعال میں، اقوال میں، مذہب میں ظہور کرتا ہے اور اس قسم کے ہماز لماز لوگ چونکہ خلق اللہ کے عیب بیان کرتے اور تحقیر و ایذارسانی میں کمال مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ اسواسطے اللہ تعالیٰ نے بھی عذاب الٰہی ان کے واسطے مقرر کر کے لفظ ویل کا فرمایا۔ جو زبان عرب میں والیٰ اور شدت بلا کے واسطے بولا جاتا ہے۔ اور کبھی اس کا سبب طلب فخر ہوتا ہے۔ کہ اپنی بڑائی اور فخر ثابت کرنے کی غرض سے دوسروں پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور کبھی اس کا سبب عُجب علم بھی ہوتا ہے۔ کہ اپنی بڑائی اور بزرگی کے گھمنڈ میں زبان درازی کرنے لگتا ہے اور کبھی اس کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کو بغیر لیاقت کے مال ہاتھ آجاتا ہے تو اس کے نفس میں یہ بد خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ میں اوروں سے اونچا اور بڑا

اور بڑا ان کے نیچے ذلیل اور جو شخص در حقیقت اونچا اور بڑا ہوتا ہے اس کی تحقیر کرتا ہے اور جانتا ہے کہ لوگوں میں اسکی برائیاں بیان کر کے اس کی بڑائی اور بزرگی کو لوگوں کے دلوں سے مٹا دونگا۔ اور یہ مرض مہلک اکثر نفس پرست خود بیں خود غرض لوگوں میں ہوتا ہے۔ نخوت غرور۔ عجب سے جسپر چاہتے ہیں زبان طعن دراز کرتے کرتے ہمازی لمازی ان کی عادت اور طبیعت میں راسخ ہو کر اسی مہلک اور جانستان مرض میں ہلاک ہو کر پیوند زمین ہو جاتے ہیں جس قوم میں اس مرض کی کثرت ہو جاتی ہے۔ وہ قوم تباہ اور برباد ہو جاتی ہے۔ خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ۔ پ دنیا اور آخرت دونو گنوا دین یہ صریح ٹوٹا ہے۔ اور اگر اس منحوس مرض کے ساتھ ساتھ بخل کا مرض بھی لگ گیا۔ تو کوڑہ میں کھاج یہ اور تباہی میں تباہی ہے اور خرابی میں خرابی۔ باہر کسی میں بیٹھا تو ہمازی و لمازی میں رہا۔ دکان پر رہا تو مال بڑھانے اور جمع کرنے میں مصروف رہا۔ گھر میں آیا تو اس کی گنتی میں لگ گیا۔ چنانچہ فرمایا اَلَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ اس شخص نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔ عَدَّدَہٗ میں اشارہ ہے کہ یہ شخص خرچ کرنے اور محتاجوں اور ضرورتمندوں مسکینوں پر ایثار اور بخشش کرنے یا دینی ضرورتوں میں اٹھانے کے لئے مال جمع نہیں کرتا۔ بلکہ گن گن کر رکھنے کے لئے جمع کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا وَجَمَعَ فَاَوۡعٰی مال جمع کیا۔ پھر سمیٹ رکھا۔ ابن جریر او سدی اور ابن کعب نے اس کی یہی تفسیر کی ہے

یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ یوں خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے ساتھ ہمیشہ رہیگا۔ یا مال کی بدولت وہ خود ہمیشہ جیتا رہیگا۔ کیونکہ ان بخیل دنیاداروں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں زیب و فراز کے لئے مال جمع کرنا ضرور چاہیئے ان کے خیال باطل میں ان کا مال گویا موت کے اسباب کو بھی روک دیگا۔ اسی خیال سے دینی غم دینا

کے مل پر خرچ نہیں کرتے۔ اں ٹہنڈائی دوائیں، حکیم ڈاکٹروں کی فیس اور نذرانوں میں دل کھول کر خوشی سے خرچ کر دیتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کلا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ان کا مال موت کو سرکا سکے۔ موت کا جو وقت مقرر ہے اپنے وقت پر ضرور آئے گی مگر انکی دینی ضرورتوں سے بے پروائی بخل اور انکی ہمارا زی اور لبازی ان کو دوزخ میں پہنچا کر رہیگی۔

لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ضرور پھینکا جائے گا حطمہ میں۔ حطمہ کی تفسیر تفصیل بطور سوال و جواب خود ہی فرمادی ہے وَمَا أَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ اور اے ہمارے حبیب تم سمجھے کہ حطمہ کیا ہے نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ اللہ کے غضب کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو اول دل ہی کو جا لگتی ہے اس عالم کی آگ کی یہ تاثیر ہے کہ اس کی سوزش بدن پر اثر پیدا کرتی ہے پھر درجہ بدرجہ چیزیں بدن کے اندر ہیں انکو جلاتی ہے، پھر اخلاط اور ارواح اور اعضائے اصلیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اور حطمہ قہر الٰہی کی آگ ہے سب سے اول اس کا اثر اپنے نفس ناطقہ ہی پر ہوتا ہے اور اس کا الم دل کو پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ دل تمام اعضا سے نازک تر ہے۔ اور دل کے درد والم سے آدمی فوراً مرجاتا ہے۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ وہاں موت بھی نہ آئے گی جیسا کہ فرمایا اللہ تعالےٰ نے لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى اس میں نہ مرے گا نہ وہ زندگی کچھ زندگی ہوگی۔

اس عالم فانی میں اس عالم باقی کی مثال تپ کی آگ سے مشابہ ہے کہ تپ کی گرمی اگرچہ اخلاط اور اعضا پر اثر کرتی ہے۔ مگر دکھو اس کا اول دل ہی پر پڑتا ہے۔ اور دل سے پھر تمام اعضا کو پہنچتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے "مومن کے لئے تپ آتش دوزخ کا ایک حصہ ہے، پھر یہ آگ دوزخ کی آگ سے کم ہے کئی وجہ سے اول یہ کہ تپ کی آگ مشترک ہے۔ آتش عنصری اور آتش مزاجی سے اس لئے تپ کی آگ مجردات پر اثر نہیں کرتی دوسرے یہ کہ آتش تپ سے بخارات اور اس کی گرمی کا جوش مسامو ںسے

کے راستوں سے باہر نکل آتا ہے اور پسینہ آگ تخفیف ہو جاتی ہے۔ مگر دوزخ کا حال یہ نہیں ہے اس کی صورت یہ ہے اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُوْصَدَةٌ مقرر یہ آگ ان کے اعضا کے اندر بند کر دی گئی ہے، کہ اندر کا گرم سانس باہر نہ آئے اور باہر کی ٹھنڈی ہوا سانس کے ساتھ اندر نہ جائے۔ کیونکہ اس سے بھی تھوڑی تخفیف ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض وقت ہاتھ پاؤں پٹخنے سے کچھ مسامات کھل جاتے ہیں اور ایک گونہ تخفیف ہو جاتی ہے وہاں یہ بھی نہ ہوگا فرمایا فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ یہ لوگ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑ دیئے جائیں گے ہاتھ پیر پٹخنے کیسے اپنی جگہ سے بھی نہ ہل سکیں گے، عطیہ عوفی نے کہا۔ کہ وہ ستون لوہے کے ہونگے۔ سدی نے کہا آگ کے۔ ابن عباس نے کہا عمد سے مراد ابواب ہیں۔ کہ ان کو دوزخ میں ڈالدیں گے۔ پھر طوق اور زنجیروں میں جکڑ کر دروازے بند کر دیئے جائیں گے عبداللہ ابن مسعود کی قرارت یہ ہے مُوْصَدَةٌ بِعَمَدٍ عمد کا بات ایک ہے، مراد سخت عذاب ہے۔ واللہ اعلم

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۚ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ	کیا تم نے نہیں دیکھا۔ کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا۔ کیا ان کا داؤں غلط نہیں کر دیا اور پرے کے پرے ان پر پرند جانوروں کے بھیجے۔ جو کہ ان پر کھنگر کی کنکریاں پھینکتے تھے۔ پھر ان کے تمام لشکر کو

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ | ایسا تباہ کیا جیسے اخورہ

تفسیر یہ سورت باتفاق علما صحابہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی پانچ
آیتیں تیئس کلمے اور ننانوے حروف ہیں۔ اور اس کا نام سورۂ فیل اس واسطے
رکھا ہے۔ کہ اس میں اصحاب فیل کا حال بیان ہوا ہے اور اصحاب فیل کا قصہ اللہ جل شانہ
کی کمال قدرت کا ایک نمونہ ہے اور اس میں ایک بڑی عبرت کی بات ہے کہ قہر
الٰہی کے چھوٹے سے چھوٹے سے اسباب کی بڑی سے بڑی مخلوق تحمل نہیں کر سکتی تو
اس کے قہر کے بڑے اسباب کا کون تحمل کر سکتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہمارے سید
و مولیٰ حضور سرور عالم کی ولادت باسعادت سے پہلے ملک یمن پر حبشیوں کا غلبہ ہو گیا
تھا۔ اور بادشاہ حبشہ کی طرف سے ابرہہ نامی یمن کا صوبہ دار تھا۔ جب اس نے دیکھا
کہ بموسم حج میں ہر اطراف و جوانب کے لوگ نذر و نیاز لے کر مکہ معظمہ کو جاتے ہیں۔ تو
اس کے غرور اور نخوت اور حرص نے اس پر غلبہ کیا۔ اور بمقابل کعبہ معظمہ کے نہایت
خوشرنگ پتھروں کا ایک گھر بنایا۔ اور قلیس اس کا نام رکھا۔ اور اس کو زر و جواہر سے
خوب آراستہ کیا۔ اور عود و عنبر مرصع انگیٹھیوں میں وہاں روشن کیا اور سونے چاندی
کے مرصع بت زیور اور لباس فاخرہ سے مزین کر کے اس گھر میں رکھے اور اس کے
گرد پر تکلف مسافر خانے بنوائے اور لوگوں کو حکم دیا۔ کہ مثل کعبہ کے اس گھر کے طواف
اور زیارت کو آیا کریں۔ اور اپنے ملک کے تمام حصوں میں منادی کرادی کہ اب کوئی
مکے کی زیارت کو نہ جائے۔ یہ بات عرب پر بہت شاق گذری اور در حقیقت گذرنی
ہی تھی۔ کیونکہ ان کے گذارے کا سبب مکہ معظمہ کی عظمت اور عام زیارت گاہ ہونا ہی
تھا۔ چونکہ ابرہہ نے اس گھر کے آس پاس مسافر خانے نہایت پر تکلف اور بہت نفیس
بنوا دیئے تھے۔ اور انکی ہر جانب میدان صاف اور وسیع رکھے تھے۔ اس وجہ سے
خواہ مخواہ مسافر آن کر ٹھہرنے لگے اور قافلے اترنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد اتفاقاً ایک

ایک بڑا قافلہ عرب کا وہاں اترا اور پچھلی رات کو اہل قافلہ نے آگ جلائی۔ کیونکہ چلتے
وقت قافلے والے آگ جلادیا کرتے تھے تاکہ گری پڑی چیز معلوم ہو جائے اتفاقاً جس
وقت اہل قافلہ کوچ کی تیاری کر رہے تھے۔ تیز و تند ہوا بھی چل پڑی۔ اور اس مکان
میں آگ لگ گئی قافلے والے تو بھاگ گئے۔ اور یہاں تحقیقات شروع ہوئی جب
اس ماجرے کی رپورٹ ابرہہ کو پہنچی۔ تو اس نے خیال کیا کہ مکے کے لوگوں نے قصداً آگ
لگائی ہے اس کو غصہ آیا۔ اور جوش غضب میں ایک بڑا لشکر جس کی تعداد چالیس
ہزار تھی اور کچھ ہاتھی ساتھ لے کر چڑھ دوڑا کہ میں کعبہ کو ڈھا کر نیست و نابود
کردونگا۔ اور روئے زمین پر اس کا نام و نشان باقی نہ چھوڑونگا۔ اثناء راہ میں بعض
قوموں نے مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ اور وہ برابر بڑھتا ہوا چلا آیا۔ یہاں تک کہ بقول
ابن جریر وادی محسر میں آکر اترا جو کہ عرفات کے راستہ میں مکہ معظمہ سے چھ کوس پر
واقع ہے، ابرہہ نے اول حناطہ حمیری کو اپنا قاصد بنا کر مکہ میں بھیجا کہ میں تم لوگوں سے
لڑنے کو نہیں آیا ہوں۔ بلکہ اس گھر کو ڈھانے آیا ہوں، تم میں سے جو کوئی مزاحم اور
مانع ہوگا۔ اس کو قتل کر دونگا۔ جب حناطہ آیا تو لوگ اس کو عبدالمطلب کے پاس
لے کر آئے۔ اس نے ابرہہ کا پیغام سنایا۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ ہم بھی اس سے لڑنا نہیں
چاہتے۔ اور نہ ہم میں اس سے لڑنے کی طاقت ہے۔ اور جس کو وہ ڈھانا چاہتا ہے۔ اللہ
تعالیٰ کا حرمت والا گھر ہے جس کے معمار اللہ تعالیٰ کے خلیل ابراہیم پیغمبر علیہ السلام
تھے۔ اگر اللہ چاہے گا۔ تو اس کو اس گھر تک آنے سے روک دیگا۔ اور اگر وہ نہ روکیگا
تو واللہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ اس کو دفع کرنے کا نہیں ہے

حناطہ قاصد نے کہا تم میرے ساتھ اس کے پاس چلو۔ یہ گئے اس نے آپ کی
بڑی تعظیم کی کیونکہ عبدالمطلب بڑے خوش اندام اور وجیہ آدمی تھے۔ ابرہہ نے کہا
آپ مجھ سے کچھ فرمائیے۔ آپ نے کہا کہ میرے دو سو اونٹ تمہارے لشکر نے لوٹ لئے

ہیں۔ اگر چاہو تو واپس دلا دو۔ ابرہ نے کہا۔ کہ آپ نے اپنے اونٹوں کا سوال کیا اور اس گھر کے واسطے کچھ نہ کہا جس کو میں ڈھانے کے واسطے آیا ہوں۔ آپ نے کہا میں اونٹوں کا رب ہوں۔ میں نے ان کے لئے کہہ دیا۔ اس گھر کا رب دوسرا ہے وہ چاہے گا۔ تو اپنا گھر آپ بچا لے گا۔ ابرہ نے کہا کہ وہ مجھ کو نہیں روک سکتا۔ یہ خاموش ہو رہے۔ ان کے ہمراہ جو مکہ کے اور اشراف تھے انہوں نے ابرہ کی بہت ہی خوشامد کی اور تہائی مال مکہ کا پیش کیا کہ یہ لے لو اور اس گھر سے تعرض نہ کرو۔ ابرہ نے منظور نہ کیا۔ مگر عبد المطلب کے اونٹ دلوا دیئے یہ واپس چلے آئے۔ مکے کے سب لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑ پر چلے گئے۔ عبد المطلب تنہا مدد غیبی کے منتظر مکے میں بیٹھے رہے اور دروازہ کعبہ کو پکڑ نصرت اور مدد طلب کی۔

مقاتل بن سلیمان کہتے ہیں۔ کہ عبد المطلب نے سو اونٹنیاں قلادہ دار حرم مکہ میں اس خیال سے چھوڑ دیں۔ کہ اگر لشکر والے ان کو پکڑیں گے تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لے۔ جب صبح ہوئی تو ابرہ نے مکہ پر آنے کی طیاری کی اور لشکر کو طیار ہونے کا حکم دیا۔ مکہ کے لوگ پہاڑوں پر سے دیکھ رہے تھے۔ کہ جب انہوں نے ہاتھیوں کو آگے بڑھانا چاہا۔ تو ہاتھی مکہ کی طرف آگے نہ بڑھتے تھے۔ ابرہ فیلبانوں پر خفا ہو رہا تھا۔ کہ تم لوگ شرارت سے ہاتھیوں کو آگے نہیں بڑھاتے فیلبان ہاتھیوں کو آنکس مار مار تے تھک جاتے تھے۔ مگر ہاتھی آگے نہ بڑھتے تھے آخر کچھ ہاتھی آگے بڑھنے لگے۔ اتنے میں جدہ کی طرف سے جہاں دریائے شور واقع ہے۔ دل بادل ایک قسم کی سیاہ چڑیوں کے آنے لگے اور اس قدر کثرت سے آئے کہ آفتاب کی دھوپ ماند ہو گئی۔ ان کے پنجوں اور چونچوں میں چنے کی برابر کنکریاں تھیں۔ ان میں ایسا سریع التاثیر زہر بھرا ہوا تھا۔ کہ جس کے لگتی اس کے تمام بدن پر آبلے ابھر آتے بدن گل جاتا۔ شہ جاتا۔ جانور کو لگے خواہ آدمی کو تاثیر ایک ہی تھی۔ ابرہ کی فوج جلد ہلاک

ناگہانی اور آفت آسمانی کو دیکھ کر بھاگ نکلی تمام لشکر تباہ ہو گیا، ہزاروں آدمی گل سڑ گئے بہت سے زخمی ہو کر بھاگے۔ ابرہہ بھی زخمی ہو کر بھاگا عطا بن یسار وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ابرہہ بھی بلاد خثعم میں پہنچ کر گل سڑ کر مر گیا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ کنکریاں کھا کر بھاگے تھے اکثر راستے ہی میں مر گئے اس کے بعد ایک تیز اور تند ہوا چلی اور وہ پرندے غائب ہو گئے۔

اہل مکہ پہاڑوں سے اتر آئے اور تمام مال و اسباب ابرہہ اور اس کے لشکر کا ان کے ہاتھ لگا، مقاتل بن سلیمان نے کہا۔ کہ ان کا بہت مال قریش کے ہاتھ آیا عبدالمطلب کے حصہ میں، ایک مناک بھر کے سونا آیا۔ یعقوب بن عتبہ کہتے ہیں۔ سب سے پہلے اسی سال بلاد عرب میں مرض چیچک نمودار ہوا۔ اس سے پہلے اس مرض کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اسی طرح عکرمہ سے بھی بطریق جید مروی ہے۔ ابن زبیر نے بیان کیا ہے جن کو وہ کنکری لگی چیچک نکل کر سارے بدن پر چنے کے برابر آبلے پڑ گئے اور گل سڑ کر مر گیا، عبداللہ ابن عمر نے کہا۔ جب ہوا چلی تو کنکریاں زیادہ سخت ہو گئیں۔ وہ کنکریاں بعض لوگوں نے رکھ لیں تھیں مدت تک رہیں۔ اکثر صحابہ نے دیکھیں۔ اسحاق اور واقدی نے حضرت عائشہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے دو فیلبانوں کو اس حالت میں دیکھا۔ جو اندھے اور اپاہج ہو گئے تھے اور بھیک مانگتے پھرا کرتے تھے۔ اسی طرح اسما بنت ابوبکر سے بھی روایت ہے کہ میں نے ان کو نزدیک اساف اور نائلہ کے بھیک مانگتے دیکھا تھا

یہ واقعہ اصحاب فیل کی تباہی کا ہمارے سید و مولیٰ سرور عالم کے روز ولادت سے پچپن روز پہلے واقعہ ہوا تھا۔ گویا حضور اقدس کی بعثت اور نبوت کی علامات میں سے ایک علامت ہے اور قریش کو یہ بات یاد دلائی تاکہ اس سے عبرت پکڑیں اور جناب رسول اللہ کی رسالت قبول کریں۔ آپ کی عزت اور عظمت کو اپنا فخر جانیں جن کی برکات سے یہ مدد ہوئی، اس سے ظاہر ہو گیا۔ کہ جب قریش نے جناب پیغمبر کی عظمت

سے انکار کیا تو انکار کچھ بھی نہ چلا۔ جن لوگوں نے آپ کو مان لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو
عزت کے تاج سے سرفراز کیا۔ اور جنہوں نے سرکشی کی اور رسول خدا کے مقابلہ میں علم
بغاوت بلند کیا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے خوار و ذلیل کر دیا۔ تمام مکہ پر اللہ تعالیٰ نے
اپنے رسول کو مسلط کر دیا۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور سرور عالم نے
پکار کے سب سے فرما دیا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے لشکر فیل کو مکہ سے روک دیا
تھا اور آج اپنے رسول اور مومنین کو اس پر مسلط اور مقتدر کر دیا۔ اب اس کی حرمت
اسی طرح عود کر آئی جس طرح پہلے تھی۔ جو حاضر ہے غائب کو پہنچا دے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا
کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا

دیکھنے کا لفظ ایسی جگہ بولتے ہیں جو بات تواتر سے ثابت ہو۔ اور اس میں شک
و شبہ نہ ہو۔ تو گویا یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہاتھی والوں کے ساتھ تو یہ معاملہ کیا۔ اور تم کو
مکہ پر پورا تسلط و اقتدار بخشا اور کوئی مزاحم نہ ہوا۔ بلکہ مزاحمت کرنے والوں کو تباہ
اور ذلیل کر دیا۔ اس سے تمہاری نبوت کا ثبوت اور تمہاری عظمت کا اظہار مقصود ہے

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ۔ کیا تمہارے رب نے ان کا داؤں
باطل اور عزم غلط نہیں کر دیا۔ (یعنی کر دیا)۔ اور ان کی تمام تدبیریں الٹ دیں اور
ان کا سارا کیا دھرا خاک میں ملا دیا۔ بیت اللہ کے مقابلہ میں جو گھر بنایا تھا۔ اسے
جلا کر خاک سیاہ ان کی سلطنت نیست و نابود کر دی۔ فوج اور لشکر جو سرکر
کیا تھا۔ اس کو اس ذلت و خواری سے تباہ اور برباد کر دیا

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ۔ اور بھیجے ان پر پرند۔ جانور پرے
کے پرے جیسے دل بادل،

عرف میں ابابیل ایک مشہور پرندے کو کہتے ہیں وہ غیبی جانور جو سنگریزے

لے کر آئے تھے اسی کے برابر تھے۔ مگر ابابیل کا لفظ لغت میں جوق جوق اور فوج فوج کے معنوں میں آتا ہے، مراد اس سے کثرت ہے وہ پرند جانور اللہ تعالیٰ نے اس قدر بھیجے تھے۔ تو ابرہ کا لشکر جب پریشان ہو کر بھاگا۔ تو جس طرف وہ لوگ جاتے تھے انہیں کہیں پناہ نہ تھی۔ ہر طرف وہ پرند ابر محیط کی طرح چھائے ہوئے نظر آتے تھے۔

حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمۃ نے فرمایا کہ ابابیل کے معنی کثیرہ کے ہیں۔ ابن عباس نے کہا۔ کہ انکی چونچ اس قدر لمبی تھی۔ کہ ان کے جسم پر سونڈ معلوم ہوتی تھی۔ عبید بن عمیر نے کہا سیاہ رنگ کے دریائی پرندے انکی چونچ اور دونوں پنجوں میں ایک ایک کنکری تھی۔

ابن منذر، اور عبد بن حمید، اور ابو نعیم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ جب عبد المطلب نے ان کو سمجھایا۔ کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ تم کو مسلط نہ کرے گا، تم تیسرا حصہ کہ کے سارے مال میں سے لے لو۔ اور اس خیال سے درگذر و انہوں نے ایک نہ مانی اور کہا جب تک خانہ کعبہ کو ڈھا نہ لینگے یہاں سے نہ ٹلیں گے۔ آخر یہ ہوا۔ کہ جس ہاتھی کو جس قدر آگے بڑھاتے تھے۔ اسی قدر پیچھے ہٹتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالے نے طیر ابابیل کو حکم دیا۔ کہ ہر پرند تین تین کنکریاں لایا۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ کنکریاں چھوڑنی شروع کیں وہ کنکریاں ایسے زہر کی بجھی ہوئی تھیں۔ جس کے لگتیں فوراً خارش ہو جاتی۔ آبلے پڑ جاتے۔ جہاں کھجایا گوشت گل کر گر جاتا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ ۙ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَأْكُولٍ۔

پھینکتے تھے وہ پرندے ان لشکر والوں پر سنگریزے کنکر کے یہاں تک کہ ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔ مٹی کے کنکر جو مثل پتھر کے سخت ہوتے ہیں۔ ان کو سجیل کہتے ہیں۔ یہ کنکر پتھریلی زمین میں ہوتے ہیں۔ یہی قول ابن عباس کا بھی ہے۔

عصف اس آخور کو کہتے ہیں جو چارہ جانور کہلاتے کہاتے کچرا کرکے چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ کچرا بہس کا ہو یا کسی اور قسم کے چارے کا۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں۔ کہ عصف ماکول اس کو کہتے ہیں۔ جو گہاس اور ہر قسم کے بہس اور چھلکے بہوسی وغیرہ جانور کہا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور خراب ہو کر کچرا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کو تباہ کر دیا۔ ان کی تدبیریں انہیں پر پلٹ دیں اور ان کے تمام داؤں ان پر الٹ دیئے فاعتبروا

سُوْرَةُ الْقُرَیْشِ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ اَوْ بِالْمَدِیْنَةِ اَرْبَعُ اٰیَاتٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ	اس واسطے قریش کو اللہ نے الفت دلائی جاڑے اور گرمی کے سفر کی
فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ	تو ان کو چاہیے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے بہوک میں انکو اس پہاڑ کی چٹانوں میں بے جوتے بے بوئے ہر قسم کا کہانا کہلایا اور ہر طرح کے خوف سے امن دیا۔

تفسیر اس سورت کا نام قریش اس واسطے رکھا ہے۔ کہ اس میں قریش پر احسان کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس میں چار آیتیں سترہ کلمے اور بہتر حرف ہیں۔ اور مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے حضرت اسمعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام کی اولاد میں سے ایک قبیلہ کا نام قریش ہے اور یہ قبیلہ نضر بن کنانہ کی اولاد ہے ہمارے حضور سرور

عالم نضر بن کنانہ سے تیرہویں پشت میں ہیں

جو لوگ نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔ ان کو قریش کہتے ہیں یہ قریش لغت عرب میں ایک دریائی جانور کا نام ہے، یہ جانور چونکہ تمام دریائی جانوروں سے زبردست اور سب پر غالب ہے اس لئے بوجہ کمال شجاعت کے نضر بن کنانہ کو عرب کے تمام لوگ قریش کہتے تھے جیسے ہمارے زمانہ میں مرد شجاع اور بہادر کو شیر کہتے ہیں۔ یہ قبیلہ صحت نسب میں سب پر غالب تھا۔ اسی وجہ سے یہ قبیلہ قدیم سے تمام قبایل عرب میں نہایت نامی گنا گیا ہے ہمارے حضور اسی قبیلہ میں پیدا ہوئے تھے یہ سارا قبیلہ ایک جگہ رہتا تھا۔ اور یہی لوگ چاہ زمزم اور بیت اللہ شریف کے ہمیشہ سے خادم رہے ہیں۔ ام ہانی بنت ابی طالب سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات قسم کی فضیلتیں اللہ تعالیٰ نے قریش کو دی ہیں۔

نبوت۔ خلافت، حجابت، سقایت نصرت، عبادت، عشرہ سنین نزول لایلاف قریش" کہ اس سورت میں سوائے قریش کے اور کسی دوسرے شخص کا ذکر نہیں ہے۔ قریش لوگ موسم گرمی میں ملک شام اور سردی میں ملک یمن جاتے تھے۔ اور بوجہ ادب بیت اللہ شریف کے ان کے مال کا کوئی محصول نہ لیتا تھا۔ نہ چور ان کا مال چراتے تھے۔ نہ قزاق ان کا مال لوٹتے تھے۔ اور اگر ان کے ساتھ کوئی مسافر لگا لیتا چلا جاتا تھا۔ تو وہ بھی ان کی وجہ سے محفوظ اور مامون رہتا تھا ہر جگہ لوگ انکی تعظیم کرتے تھے ان کو نذریں اور قربانیاں دیتے تھے۔ اور اس وجہ سے یہ لوگ ایسے پہاڑوں اور ریت کے ملکوں میں جہاں نہ کھیتی ہو نہ پانی ملے، نہ سبزہ نہ درخت نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی اس نعمت کو اس سورت میں بیان فرماتا ہے کہ کوتہ نظری سے تم ہمارے عجائبات قدرت اور انعامات بے حد و عد بر جو عرش سے فرش تک لبالب ہیں نظر نہیں ڈالتے تو خاص اس نعمت پر جو ہمارے گھر کی

بدولت تم کو حاصل ہے نظر کرو اور اسی کے شکریہ میں ہماری عبادت بجالاؤ۔ اور شرک کر کے ہماری نافرمانی اور گناہوں سے بچو۔

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ قسم ہے قریش کو الفت دلانے کی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرمایا ہے کہ لایلاف میں لام قسم یہ ہے جیسے کہ لِلّٰہِ لَا یُؤَخِّرُ الْاَجَلَ میں یعنی اللہ کی قسم وقت نہ ٹلے گا۔ ابن جریر رح فرماتے ہیں کہ تعجب کا ہوا ہے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ ایلاف قریش سے تعجب ہے کہ ہم نے ان پر نعمت الفت مبذول فرمائی۔ ان کو تجارت وسفر کی الفت دی اور لوگوں کے دلوں میں انکی الفت وقدرت ڈالی۔ اور وہ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

بعض اہل تفسیر نے کہا ہے کہ لام لایلاف کا سورۂ فیل سے متعلق ہے گویا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اصحاب فیل کو تالیف قریش کے لئے ہلاک کیا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے الم ترکیف میں اپنی بڑی نعمت کا جو قریش پر کی تھی، ذکر کر کے اسی کے متصل یہ سورۃ نازل فرمائی۔ چنانچہ زجاج نے اس کے معنی یہ کئے ہیں، کہ ہم نے واسطے تالیف قریش کے اصحاب فیل کو تخور کر ڈالا۔ اور اسی وجہ سے ابی بن کعب الم ترکیف اور لایلاف کو ایک سورت جانتے تھے۔ مگر علمائے صحابہ رضا کا اتفاق ہے کہ یہ دو سورتیں ہیں اور نزول میں سورت کامل بسم اللہ کے ہے اس لئے الم ترکیف، اور لایلاف دو سورتیں ہیں اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے

اٖیۡلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ کہ الفت دی ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر کی۔

قریش کو سفر سے مالوف کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عجائب حکمتیں جلوہ گر ہیں جو اس کی کمال حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض بطور نمونہ کے ہم بیان بیان کرتے ہیں۔ اول فائدہ تجارت، دوسرے یہ کہ مکہ معظمہ میں سنگلاخ زمین ہے

آب و ہوا ان کی خشک کسی قسم کے غلہ کی پیدائش نہیں ہوتی اگر دوسرے ملک کے لوگوں کی طرح اس ملک والے بھی سفر سے مالوف نہ ہوتے تو اس شہر کی آبادی مشکل تھی۔ ان کی فراخ معاشی کے لئے سفر کی چاٹ لگا دینی ایک عجیب تدبیر ہے ہر ملک اور ہر ضلع سے ہر موسم کے مناسب ہر قسم کے مال و اسباب اس شہر میں لے آئیں اور اس بقعۃ الیخر میں ہر قسم کی آسائش کے ساتھ رہ سکیں۔

سوم سفر میں سردی کی شدت اور گرمی کی سختی اٹھانے کی ان لوگوں کو عادت ڈالنے میں یہ حکمت تھی کہ ہجرت کے وقت وطن چھوڑ کر حالت افلاس میں انکو گرمی اور سردی اور بھوک پیاس کی شدت برداشت کرنی اور عزیز و اقارب کا چھوڑ دینا، دوست آشنا سے منہ موڑنا زیادہ ناگوار نہ ہو۔ اس لئے خلاف عادت ان مصائب کے تحمل کا پہلے ہی سے ان کو خوگر بنادیا۔ اور گرمی اور سردی کے سفر کی چاٹ لگادی

چہارم یہ کہ دین حق پہیلانے کے واسطے دور دراز ملکوں میں جانا۔ اور ہر ملک کی آب و ہوا کا برداشت کرلینا اور قسم قسم کی صعوبتوں کا اٹھانا ان کو شاق نہ ہو۔

پنجم یہ کہ ہر ملک کے لوگوں کے حالات۔ اخلاق عادت، امزجہ، خوبو، قوت، ضعف سے ہر ملک کے راہ رستوں سے وہاں کے جغرافیہ سے ان لوگوں کو آگاہ اور واقف کیا منظور تھا۔ چنانچہ بعد ظہور عہد حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے کابل تک قسطنطنیہ اور اندلس تک جہاد کے واسطے ان کا جانا اور اس قدر دور دراز سفر کرنا۔ اور ان کے ہاتھوں پر ملکوں کا فتح ہونا۔ ان کو نہایت آسان ہوگیا گویا سفر سے ان کا خوگر ہونا۔ ان کے حق میں ایک عجیب نعمت اور عظیم دولت تھی۔ جس کے سبب سے ان کو دین اور دنیا کی ریاست حاصل ہوگئی۔ اس صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کی عادت نے ان خاک نشینوں کو ترقی کی ایسی عجب چنز بلندی پر پہنچایا کہ عرب کے محاورہ کے موافق ان کے سفر کی عادت کی قسم کھانی چاہیے

اب اس نعمت الذت سفر کی شکر گذاری میں ان سے اپنی عبادت طلب کی جاتی ہے
فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ پس چاہئے قریش اس گھر کے رب کی عبادت
کریں اس واسطے عظمت و بزرگی قریش کے لوگوں کے دلوں میں اور فراخی معاش
کی اور بے غم ہونا دشمنوں کے شر سے اور امن پانا چوروں اور قزاقوں سے یہ سب
اسی گھر کی مجاوری اور اسی آت لنے کی در بانی کی برکت سے حاصل ہے اور تمام خلق تمہاری
تعظیم و تکریم اسی گھر کی بدولت کرتی ہے۔ تو تم کو اس گھر کے صاحب کی عبادت نہ کرنا
بڑی ناشکری اور ناسپاسی کی بات ہے اگر ان کو اپنی کوتہ نظری سے ہمارے گونا گوں
کمالات قدرت اور ربوبیت عامہ پر نظر نہیں ہے۔ تو اس قدر تو سمجھ لیں کہ یہ ایسے
ملک میں رہتے ہیں جہاں غلہ کی جگہ سبز گھاس بھی پیدا نہیں ہوتی، پہاڑ بالکل
خشک ہیں جن میں پانی کا نام نہیں، ایسے مقام کے رہنے والوں کو روٹی کا ٹکڑا اور
گھونٹ پانی کا ملنا مشکل تھا۔ مگر ہم ان کو یہاں بے تردد ہر قسم کا کھانا کھلاتے ہیں
اور ٹھنڈا پانی پلاتے ہیں۔

اَلَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ اس خدا کی عبادت کریں جو ان کو بھوک
کے موقع پر کھانا دیتا ہے اپنی ربوبیت کی شان اور ان کی ناسپاسی کو ایک جگہ یوں
فرمایا ضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت اٰمنۃ مطمئنۃ یاتیھا رزقھا رغداً
من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف بما
کانوا یصنعون اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے۔ وہاں کے لوگ ہر طرح امن
و اطمینان سے تھے ان کے واسطے ان کا رزق بافراغت ملک ملک سے چلا آتا تھا۔ پھر
انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ تو اللہ نے ان کو مزہ چکھا دیا بھوک
اور خوف ان کا اوڑھنا بچھونا بنا دیا یہ بدلہ تھا۔ ان کے کرتوتوں کا۔

ولقد جاءھم رسول منھم فکذبوہ فاخذھم العذاب وھم

ظلمون - اور انہیں میں کا ایک رسول ان کے پاس آیا۔ تو انہوں نے اس کو جھٹلایا اپس اللہ کے عذاب نے ان کو آپکڑا۔ اور وہ ظالم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا خالص اپنی عبادت اور محمد رسول اللہ کی اطاعت کا۔ مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی نافرمانی اور اس نعمت کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ ان پر قحط کو مسلط کیا۔ جس نے ان کو ہلا دیا۔ اور مسلمانوں کا خوف ان کے دل میں ڈال دیا۔ مکہ مسلمانوں نے فتح کرلیا۔ علاوہ اس کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے عرب و عجم کے ملکوں پر فتح دی بڑے بڑے ملک اور تمام آباد اور پر رونق شہر ان کے قبضہ میں کر دیئے۔ ایک مدت مسلمان ملک خدا کے ناظم اور خلق اللہ کے حاکم رہے۔ اور اپنی ہر نعمت سے ان کو سرفراز فرمایا۔ اور ہر قسم کی آسائشیں ان کو عطا ہوئیں جب انہوں نے بھی نافرمانی پر کمر باندھی قرآن اور فرمان رسول کو چھوڑ دیا۔ تو ان کو بھی وہی نتیجہ بھگتنا ضرور پڑا جو ناشکروں نافرمانوں کو چار و ناچار بھگتنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عام اصول مسلمانوں کو بتا دیا تھا جس کو انہوں نے بھلا دیا لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ اگر تم شکر گذار ہوگے تو ہماری طرف سے تم کو نعمتوں پر نعمتیں ملتی رہیں گی اور اگر تم ناشکری اور نافرمانی کرو گے۔ تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اب قریش پر ایک اور بڑی نعمت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ دنیا کی تمام نعمتیں اس نعمت کی فرع ہیں وہ نعمت امن ہے۔

وَ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ اور امن دیا ان کو خوف سے باوجود اس بات کے کہ عرب کے تمام قبیلوں میں قتل اور لوٹ اور بندی اس قدر مروج تھی کہ جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ لیکن بیت اللہ شریف کے گرداگرد حد حرم تک کہ بعض طرف سے دس کوس ہے اور بعض طرف سے چھ کوس اور بعض طرف سے تین کوس

ہرگز کوئی کسی پر تعرض اور کسی طرح کی کوئی مزاحمت نہ کرتا تھا۔ بلکہ اگر کوئی کسی کو قتل کر کے بھی حرم کی حد میں آجاتا۔ تو اس کا پیچھا نہ کرتے تھے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ علاوہ اس امن کے بعض امراض جسمانی سے بھی ان کو امن تھا بطلان یہ ہے کہ مکہ کے رہنے والوں کو جذام کا مرض ہرگز نہ ہوتا تھا۔

چنانچہ یہ بات اب بھی مدت دراز سے تجربہ میں آتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ پاک کا ارشاد ہے اولم یروا انا جعلنا حرما امنا ویتخطف الناس من حولھم کیا اہل مکہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے مکہ ان کو پناہ اور امن کی جگہ کر دیا ہے اور اس کے آس پاس سے لوگ اچکے چلے جاتے ہیں۔

دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں انما امرت ان اعبد رب ھذا البلدۃ التی حرمھا ولہ کل شی وامرت ان اکون من المسلمین مجھ کو یہی حکم ہے کہ اس شہر کے مالک کی بندگی کروں جس نے اس کو ادب والا بنایا۔ اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھ کو حکم ہے کہ میں مسلمان رہوں۔

ابن ابی حاتم نے اسماء بنت یزید سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ویل لکم قریش لایلاف قریش خرابی ہے تمہارے واسطے اے گروہ قریش لایلاف۔

اور اسامہ بن زید کا لفظ یہ ہے ویحکم یا معشر قریش اعبدو رب ھذا البیت افہ بس ہے تمہارے حال پر اے گروہ قریش۔ عبادت کرو اس گھر کے رب کی۔ اس کو ابن حاتم نے روایت کیا ہے کہ صواب اسماء بنت یزید ہے نہ اسامہ بن زید ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ مراد اس سے وہ دعا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی وارزق اھلہ من الثمرات اور میووں میں سے اس کے رہنے والوں کو روزی دے۔ اور فرمایا رب اجعل ھذا بلدا امنا۔ اے رب اس شہر کو امن

ڈالا کردے، القصہ فضائل قریش میں بہت سی حدیثیں آتی ہیں جن کی اس مختصر میں گنجائش ہے فرمایا لوگ تابع ہیں قریش کے اور خلافت انہی میں ہمیشہ رہیگی جب تک دو آدمی بھی ان کے باقی رہیں گے۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ وَقِيْلَ بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعُ اٰيَاتٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ

(اے ہمارے حبیب) تم نے دیکھا جس نے قیامت کے دن کو جھٹلایا یہ شخص ایسا سنگدل ہے، کہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے پر ترغیب ہی نہیں دلاتا۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ

پھر ان نمازیوں کی خرابی ہے۔ جو اپنی نماز سے بے پروائی کرتے ہیں

الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ

اور کوئی نیک عمل کرتے ہیں تو دکھانے کو اور ایسا کنجوس ہے کہ برتنے کی چیزیں بھی مانگے کو نہیں دیتا۔

تفسیر یہ سورت بقول ابن عباس مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے، بعض کے نزدیک نصف مکی اور نصف مدنی ہے۔ اس کو سورہ دین اور سورہ یتیم بھی کہتے ہیں ۲۱ کی سات آیتیں ۲۵ کلمے اور ۱۲۵ حروف ہیں۔

ماعون۔ برتنے کی چیز کو کہتے ہیں۔ اس سورت کا نام ماعون اس وجہ سے رکھا

ماعون کا دنیا احسان کا ادنے درجہ ہے۔ اس جگہ یہ بات ضرور سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ
جب ماعون کا منع یعنی برتنے کی چیز سے عند الطلب باوجود اس کی موجودگی کے
انکار کر دینا قہر الہی کا باعث ہے تو جو حقوق واجب الادا ہیں۔ حق اللہ ہوں یا
حق العباد ان کا ادا نہ کرنا کس قدر غضب الہی کا باعث ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں
اتلاف حقوق کی نسبت اکثر آیات میں وعید آئی ہے سب مسلمان مرد اور تمام مسلمان
عورتوں کو قہر الہی سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن مجید ادائے حقوق کی نسبت سخت
تاکید کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ کلام الہی ہے۔ اس واسطے اس کے تمام اوامر و نواہی پر سب
کو عمل درآمد ضرور کرنا چاہیئے۔ ورنہ درصورت مخالفت خسران دوجہاں مستحیر ہے
مفسرین رحمہم اللہ نے یوں لکھا ہے۔ کہ اس سورت کا نصف اول عاص بن
وائل کے حق میں ہے اور نصف آخر عبداللہ بن ابی بن سلول کے حق میں نازل
ہوا۔ مگر قتادہ اور کلبی نے کہا۔ کہ صرف عاص کے حق میں نازل ہوئی ہے سدی عمر
بن عائذ کے حق میں بتاتے ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ ابو سفیان کے حق میں یہ سورت
اتری ہے۔ بعض ابو جہل کے حق میں بیان کرتے ہیں۔ حاصل یہ کہ جو لوگ ان اوصاف
سے متصف ہوں۔ ان سب ہی کے حق میں یہ نازل ہوئی ہے ان لوگوں کی عادت
تھی۔ کہ جب کوئی بڑا مالدار اور دولتمند آدمی بیمار ہوتا۔ تو اس کے پاس جاتے۔ اور
اچھی طرح اس کی تیمار داری کرتے۔ جب اس کو قریب المرگ اور زندگی سے مایوس
حالت میں دیکھتے تو اس کے آگے تشفی اور طمانیت آمیز باتیں منافقانہ طور پر بیان
کرکے کہتے کہ تم اپنے یتیم بچے اور مال ہمارے سپرد ک[illegible]
یتیموں کی پرورش کرینگے اور اپنے ظل حمایت میں ر[illegible]
کے رعب سے اور ورنا تمہارے یتیموں کے مال برد[illegible]
مریض ان نفاق پیشہ لوگوں کے دام فریب میں پھنس[illegible]

وہ یقیناً اس عالم فانی میں اللہ تعالےٰ کے خوف سے ڈر کر مرتکب خیانت و ظلم وغیرہ نہ ہوگا۔ ان افعال قبیحہ کو وہی روا رکھے گا۔ جو روز جزا کا منکر ہے

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ، پھر یہ منکر دین روز جزا کو جھٹلانے والا یتیم کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے۔

پس اس آیت کے مفہوم سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ یتیم کی دل شکنی یا اس کے مال میں تغلب اور تصرف کرنا قہر الٰہی کو جوش میں لانا ہے اس وجہ سے جو لوگ سچے دین کو تہ دل سے قبول کرتے ہیں اور روز جزا کو حق جانتے ہیں۔ وہ کسی غریب مسکین پر ظلم نہیں کرتے اور کسی کا مال باطل اور ناروا طریق سے نہیں کھاتے اتلاف حقوق روا نہیں رکھتے۔ کیونکہ ظالموں اور غاصبوں کے انجام کار سے وہ لوگ بخوبی واقف ہیں۔ مگر یہ ناعاقبت اندیش مکذب روز جزا منکر دین ایسے سنگدل اور بے رحم ہیں کہ غایت نخوت و پندار اور کمال حب جاہ اور فرعونیت کی وجہ سے ایسے ضعیف اور بے کس یتیموں پر ظلم کرتے ہیں۔ جو پورے طور پر واجب الرحم ہیں۔ یتیمی اور خوردسالی نے کسب معاش سے روک رکھا ہے اس وجہ سے زیادہ تر مستحق احسان اور قابل تربیت ہیں۔ مگر یہ منکر روز جزا بعض امداد اور پرورش کا ارادہ کرتا ہے اس کو بھی بہ انواع حیل اور اقسام سخن چینی اس امر خیر کے ارادہ کے وقوع سے روکتے ہیں اور یہ حریص جیفہ دنیا اپنی جبلی خباثت کے تقاضے سے ایسے بخیل اور نعمت پرست ہوتے ہیں۔ کہ مسکین کو خود کھانا کھلانا تو کیا۔ باوجود خود بھوکا دیکھنے کے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ کسی محتاج کے کھانا کھلانے پر کسی کو رغبت ہی نہیں دلاتا۔

اسی مطلب کو دوسری جگہ یوں فرمایا ہے۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۙ

یوں نہیں جس طرح تم خیال کرتے ہو. بلکہ تم ایسے کنجوس ہو) کہ یتیم کی عزت اور خاطر نہیں کرتے. اور آپس میں ایک دوسرے کو محتاج کے کھانا کھلانے کی ترغیب بھی نہیں دیتے. پھر جب ان بے دینوں کے بخل اور بدمعتی کا یہ حال ہے کہ نہ خود کھلائیں. اور نہ دوسرے کو رغبت دلائیں تو دین کی اور ضرورتوں کے مصارف میں ان سے کیا امداد کی امید ہو سکتی ہے. اور ان نفاق پیشہ اور اہل تزویر لوگوں میں سے اگر کوئی دنیاوی مصلحت کے خیال سے با سبب ظاہر مسلمان ہو بھی جاتا ہے، تو صرف اپنا مطلب نکالنے کو دکھاوے کے طور پر کیونکہ اس کی بے دینی ادائے فرائض میں اس کی بے رغبتی اور سستی سے مستنبط ہوتی ہے اس لئے ان کے نفاق کی شامت کا نتیجہ یوں ارشاد ہوتا ہے.

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۙ ان نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں.

ویل سے مراد عذاب اور ہلاکت ہے یا وادی جہنم ساھون سے مراد غفلت اور بے پروائی ہے. یعنی نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں. اور نماز سے مقصود ہے اس کو نہیں جانتے، نماز مراقبہ حق ہے. دل کی تعظیم کے ساتھ اور دل اور جان اور جوارح اور اعضا اور رب جوڑ نہ. دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرکے اور ماسوے اللہ سے یکسو ہو کر انتہائے ادب اور کمال عجز و نیاز سے مناجات اور حمد و ثنائے الہی میں مصروف ہونا اور بکمال خشوع و خضوع اپنی روح کو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ جمال و جلال میں حاضر کرنا نماز کی حقیقت ہے. اور ایسی ہی نماز داخل عبادت ہو سکتی ہے. مگر منافقوں کا مقصود نماز سے یہ نہیں ہوتا الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۙ یہ تو صرف دکھاوے کی عبادت کرتے ہیں تاکہ ان کا نماز پڑھنا لوگوں کو معلوم ہو جائے. مگر ان کے دل میں اس بات کی گنجائش ہی نہیں کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر کر جمعیت خاطر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی

عبادت بجا لائیں یا خالصاً للہ کوئی کام کریں اور اس بے دلی اور منافقانہ عبادت سے صرف یہی قباحت لازم نہیں آتی۔ کہ عدم قبولیت کی وجہ سے ساری عبادت ضایع اور برباد ہوتی ہے بلکہ ریا اور سمعہ کے سبب سے ان کے نیک عمل بھی غارت اور ملیا میٹ ہو جاتے ہیں۔ ۔ پھر یہی نہیں کہ ریائی عبادت کا انتقام اور پاداش میں اعمال صالحہ حبط ہو کر مواخذہ الٰہی سے نجات ہو گئی نہیں بلکہ جرم ریا سے عنداللہ یہ لوگ بری نہیں ہو سکتے، مواخذہ الٰہی ہنوز باقی رہتا ہے اس لئے کہ ریائی عبادت شرک کی ایک شاخ ہے، دو وجہ سے اول یہ کہ ریاکار خدا سے زیادہ ان لوگوں کو عزیز رکھتا ہے جن کے دکھلانے کو عبادت یا عمل نیک جو محض خدا کے واسطے کرنا تھا کرتا ہے، دوسرے یہ کہ عبادت ریائی بھی داخل شرک ہے اسوجہ سے مرتکب شرک ہوتا ہے اور شرک کئی قسم کا ہے۔ ایک فی الاستعانت و امداد جو کہ متعلق بامور دنیا ہے، دوسری قسم اشراک فی العبادت و طاعت جو کہ قایم مقام توحید و اخلاص ہے لہٰذا شرک ریاکاری کا شرک استعانت و امداد سے بدرجہا زیادہ بڑا ہوا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ اور یہی سبب ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار دوزخ کے سب سے نیچے کا طبقہ منافقوں کا ٹھکانا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ان المنافقین یخادعون اللہ وھو خادعھم واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یراؤن الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا۔ منافق مسلمانوں کو دھوکا دے کر، گویا خدا کو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں جانتے حالانکہ خود ہی خدا کی طرف سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور جب یہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کے دکھلانے کو اور دل سے اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔

ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ ساہون سے مراد منافقین ہیں۔ جو بظاہر نماز

پڑھتے ہیں اور درحقیقت نہیں پڑھتے یا ظاہر میں نماز کا التزام ہے مگر نماز سے مقصود اصلی سے غافل اور بے خبر ہیں یا جو اوقات نماز شرعی طور پر مقرر کئے گئے ہیں، ان میں ادا نہیں کرتے، وقت کو ٹال کر بے وقت اٹھے ہوتے ہیں یہ مسروق کا قول ہے یا ارکان نماز حسب ہدایت وارشاد حضور صلعم بجا نہیں لاتے یا الفاظ نماز کے معنوں میں غور وتدبر نہ کرنے کی وجہ سے حضور قلب جو کہ نماز کی شرط اعظم ہے نصیب نہیں ہوتا۔ غرضیکہ ساہون کا لفظ ان تمام مطالب اور مقاصد کو شامل ہے ان اوصاف مذکورہ سے جو شخص ایک صفت کے ساتھ موصوف ہے جان لینا چاہئے کہ اس میں ایک حصہ نفاق کا ہے علیٰ ہذا القیاس جس میں دو صفتیں نفاق کی ہوں اس میں دو حصے اور جس میں تمام علامتیں پائی جائیں وہ پورا منافق ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ یہ نماز ہے منافق کی یہ نماز ہے منافق کی یہ نماز ہے منافق کی۔ تین بار فرمایا۔ بیٹھا ہوا سورج کے غروب کا انتظار کرتا ہے۔ جب آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے، چار ٹکریں مار لیتا ہے ایک جگہ کوے کی مثال فرمائی۔ کہ اس طرح زمین پر منقار مارتا ہے اس نماز میں نہ اطمینان ہے نہ خشوع۔ حضور سرور عالم نے یہ مثال وقت عصر کی تنگی کی نسبت فرمائی اور اس وقت کی اس طرز کی نماز کو منافقانہ نماز فرمایا عقیدت خدا کا نماز پڑھیں یا روزہ رکھیں، زکوٰۃ دیں، پھر دوزخی کے دوزخی یہ ہے نتیجہ ریائی عبادت کا۔ کہ نیکی برباد گناہ لازم۔

ہر چند رسول پاک نے یہ حدیث سابق عصر کی نماز کی تنگی کی نسبت مخصوص فرمائی ہے کہ اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ یہ وقت تمام دن کے کاروبار کے نچوڑ کا وقت ہوتا ہے بازار کی خرید و فروخت بھی اکثر اسی وقت ہوتی ہے۔ مگر قرآن شریف کی آیت میں تمام نمازوں کے لئے عام طور پر تنگ وقتوں میں نماز پڑھنے کی نسبت

وعید آئی ہے۔ اور چند احادیث بھی اس آیت وعید کی موید اور مفسر ہیں۔ ازاں جملہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور نے فرمایا کہ جہنم میں ایک وادی ہے۔ کہ دوزخ بھی دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے یہ دردناک مسکن میری امت کے ریاکار اور اپنی دینی دغاباز اسی میں بل جل کر رہیں گے۔ گو کہ حافظ مولوی قادری ماہر مطلب قرآن۔ حاجی، مہاجر، مجاہد کیوں نہ ہوں۔ مگر ریائی عبادت ان کی تمام خاتمیوں اور کارگذاریوں پر پھیر دیگی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے من سمع الناس بعلمہ سمع بہ اسامع خلقہ وحقرہ وصغرہ۔ جو شخص شہرت دے لوگوں میں اپنے عملوں کی مشہور کرے گا۔ اللہ اس کو اپنی مخلوق میں حقارت اور ذلت کے ساتھ۔

البتہ یہ بات داخل ریا نہیں ہے کہ کوئی شخص بخلوص نیت محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کے خیال سے کوئی عمل نیک اختیار کرے اور کسی سبب سے لوگوں کو اس کے کام کی خبر ہوجائے اور یہ شہرت اس کی خوشی وخاطر کی باعث ہو۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اتفاقاً۔ اسی حالت میں ایک آدمی آیا میں نے اس کا آنا معلوم کرکے اپنے دل میں خوشی کا اثر دیکھا پھر میں نے جناب سرور عالم سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا اے ابوہریرہ تمہارے لئے دو اجر لکھے گئے۔ ایک پوشیدہ کا ایک علانیہ کا۔ اس کو ابویعلی نے روایت کیا ہے دوسری روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ ایک شخص چھپا کر عمل کرتا ہے۔ مگر جب اس کے عمل سے کوئی مطلع ہوجاتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے فرمایا لہ اجران اجر السر واجر العلانیۃ یعنی اس کے لئے دو اجر لکھے گئے ایک پوشیدہ کا ایک علانیہ کا اس حدیث کو ابویعلی، ترمذی، ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابوبرزہ اسلمی کہتے ہیں جب یہ آیت اتری اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ حضور نے فرمایا اللہ اکبر ھذا

خیر لکم من ان اعطی کل رجل منکم مثل جمیع الدنیا ھو الذی ان
صلی لم یرج خیر صلاتہ وان ترکھا لم یخف ربہ یعنی یہ آیت تمہارے لئے
ساری دنیا سے بہتر ہے۔ یہ آیت ایسے شخص کے حق میں ہے جو نماز پڑھتا ہے۔ مگر نماز
سے اس کو کوئی امید خیر و نفع کی یا بھلائی کی نہیں ہے اور ترک کرتا ہے تو اس کے
دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا۔ ڈرتا نہیں۔ اس حدیث کو ابن جریر نے روایت
کیا ہے اس حدیث کی سند میں جابر جعفی ضعیف ہے اور اس کا شیخ غیر ثقہ ہے۔ سعد
بن ابی وقاص رض کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ سے اس آیت کے مطلب کا سوال
کیا۔ فرمایا یہ لوگ وہ ہیں جو دیر لگا کر نماز پڑھتے ہیں۔ اس کو بھی ابن جریر نے روایت
کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ کہ تاخیر کرے یا بے وقت پڑھے یا ترک کرے یہ آیت
سب کو شامل ہے۔ ابو مصعب نے کہا مطلب یہ ہے کہ یہاں تک غافل رہا۔ کہ وقت
تنگ ہو گیا۔ عطا بن دینار نے کہا الحمد للہ الذی قال عن صلاتھم ساھون
ولم یقل فی صلاتھم ساھون یعنی الحمد للہ کہ عن صلاتہم ساہون فرمایا۔
فی صلاتہم ساہون نہیں فرمایا کیونکہ نماز میں سہو و خطا مسلمانوں سے بھی ہوتی ہے
اور بے نمازی سے بے پروائی اور غفلت کا یہ مطلب ہے کہ تنگ وقت پر پڑھے وضو
اور نماز میں آداب و سنن کا لحاظ نہ رکھے جلدی جلدی پڑھے۔ الفاظ کے معنوں
میں غور و فکر نہ کرے حالت نماز میں خشیت الٰہی اور رجوع الی اللہ کا خیال نہ ہو
حاصل یہ کہ جو مقصود اصلی نماز سے ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے وہ مطلب
سے مراد نہ ہو یا یہ کہ جب تک مسلمانوں کے ہمراہ رہے طوعاً و کرہاً نماز پڑھتا رہے تجرد
و تنہائی کی حالت میں بالائے طاق رکھ دے حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرات
میں بجائے ساہون کے لاہون ہے۔

مصعب بن سعد نے اپنے والد سے کہا۔ آپ نے اس آیت کو سنا ہم میں کون سا

مسلمان ہے۔ جس سے سہو و خطا واقع نہیں ہوتی۔ یا نماز کے اندر وسوسہ راہ نہیں پاتا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ بیٹا یہ بات نہیں ہے جو تم سمجھے ہو۔ مراد اس آیت سے وقت کی اضاعت ہے۔ ابراہیم نخعی رح نے فرمایا۔ کہ سجود کو با قاعدہ پورے طور سے ادا نہ کرنا۔ بلکہ صرف اشارہ کرنا یا جلدی کرنا جس طرح جانور ٹھونگیں لگاتا ہے۔ اس میں نہ ذکر اللہ کرتا ہے۔ نہ دل موثر ہوتا ہے۔ دکھانے سنانے سے یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور وہ تعریف اس کی شہرت کا باعث ہو۔ جیسا کہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں کا حال ہے

اور جب ان منافقوں کا یہ حال ہے۔ کہ خالص اللہ نہ مالی عبادت کریں نہ بدنی تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ روز جزا کے منکر ہیں۔ گو مسلمانوں کی تلوار ڈر کے خوف سے صریح انکار نہیں کرتے۔ مگر دل میں اس کی وقعت نہیں ہے علامات اور اسباب حرکات و سکنات شاہد ہیں۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ خالصاً للہ عبادت بدنی مثل تعمیل احکام الٰہی جیسے صوم و صلٰوۃ وغیرہ عبادت مالی جیسے حج۔ زکوٰۃ۔ صدقات خیرات بے کسوں محتاجوں۔ لاوارثوں۔ بیواؤں۔ یتیموں بیماروں اور اپاہجوں کی خبر گیری اور امداد وہی شخص کرے گا جس کو روز جزا میں خدا سے بدلہ ملنے کا پورا پورا یقین ہے۔ مگر ان منافق نما مسلمانوں کا یہی دستور ہے کہ دکھانے اور سنانے کے موقعوں پر صدہا خرچ کر ڈالتے ہیں۔ نفلی حج ایک کی جگہ چار چار کر لیں گے۔ مگر قرآن کی تعلیم میں اشاعت دین اسلام میں۔ علم دین کے پڑھانے اور پڑھنے میں کبھی دل کھول کر خرچ نہیں کرتے

تفسیر خازن میں لکھا ہے۔ کہ اگر نفلی عبادت اس نیت سے ادا کرے یا صدقہ وخیرات دے کہ دوسروں کو ترغیب ہو اور دوسرے لوگ اس کا اقتدا کریں تو وہ شخص دوہرا اجر پائیگا مگر منافقوں کا یہ حال ہے کہ خیرات تو دینا ان کے نفس پر

دینے کے برابر ہے، یہ کم بخت ناہنجار تو برتنے کی چیزیں بھی بطور مستعار بھی نہیں دیتے چاہے شئے مستعار کے تلف سے مطمئن بھی ہوں۔ مگر

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ برتنے کی چیزیں مانگے نہیں دیتے ابن عباس نے فرمایا ماعون گھر میں برتنے کے اسباب کو کہتے ہیں۔ جس کو عربی میں متاع البیت بولتے ہیں جیسے فرش۔ پکانے کھانے پانی گرم کرنے کے برتن۔ یا مکان کوئی ایک دو دن کے لئے مانگے۔ تو دیدینا چاہئے۔ کیونکہ ان چیزوں کے دینے سے انکار کرنا نفاق کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے، مجاہد اور ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر و ابو مالک وغیرہ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ماعون وہ چیزیں ہیں۔ جنکو لوگ کام کی ضرورت رفع کرنے کے لئے ایک دوسرے سے چند روز کے لئے مانگ لیتے ہیں۔ جیسے کدال، پھاوڑہ۔ ڈول رسی۔ کلہاڑی پکانے کے برتن وغیرہ جن کے بغیر کام نہیں چلتا۔ الغرض جتنے اقوال ماعون کی لغت آئے ہیں مرجع اور حاصل سب کا ترک معاونت ہے مال سے ہو یا اسباب سے اس لئے محمد بن کعب نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ مراد اس سے معروف ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے ہر معروف صدقہ ہے عکرمہ نے سوئی دھاگہ اور چلنی کو بھی ماعون کہا ہے۔ حدیث علی نیز کا میں فرمایا ہے۔ کہ لوہا اور پتھر بھی داخل ماعون ہیں جیسے کہ توا۔ کڑاہی کرچھا ادست پناہ وغیرہ اس حدیث کو ابن الاثیر نے روایت کیا ہے۔ تفسیر عزیزی میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ماعون سے مراد گھر اور گھر کا اسباب ہے جس کو مستعار دینا پڑوسیوں اور ضرورتمندوں کو مروج ہو گیا ہو۔

لوگوں نے حضور صلعم سے ماعون کی حقیقت کو پوچھا۔ آپ نے نمک۔ پانی کو بھی ماعون فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ جو کوئی کسی کو آگ دیتا ہے۔ بعد اس سے جو کچھ

جو کچھ پکتا ہے۔ آگ دینے والے کو اس قدر ثواب ملتا ہے۔ گویا رب کچھ اسی نے دیا۔ نمک کے دیتے کا بھی یہی حال ہے۔ اور یہ بھی حضورؐ نے فرمایا۔ کہ جو کوئی کسی کو ایسی جگہ پانی دے کہ وہاں پانی کا قحط بھی نہ ہو۔ تو اتنا ثواب اس کو ملتا ہے کہ گویا مرے ہوئے کو جلا دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ بیمار کے علاج کرنے کا طبیب کو اور مریض کے تیمارداروں کو یا جو کوئی کسی مریض کے علاج میں مدد دے معاونت کرے۔ جیسے مریض کی روزانہ حالات طبیب سے کہنی یا دوا عطار سے لا دینی یا اس کو بول و براز سے صاف رکھنے کا اہتمام یا اس کی غذا وغیرہ کا اہتمام کرے اس کو عند اللہ بڑا ثواب ہے بشرطیکہ خالصاً للہ ہو۔ اور ریا و ریا کو دخل نہ ہو ورنہ وہ سب ضائع اور محض بے کار ہے۔

سدی۔ ابو صالح ابن عمر۔ محمد بن حنیفہ۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ۔ عطا۔ زہری حسن ضحاک وغیرہم نے فرمایا۔ کہ منع ماعون سے مراد یہ ہے کہ منافق نہ تو اپنے رب کی عبادت دل لگا کر کرتا ہے اور نہ خلق کو نفع پہنچاتا ہے، یہاں تک کہ کوئی ایسی چیز جس سے مخلوق خدا کو فیض فائدہ پہنچے عاریۃً بھی نہیں دیتا۔ حالانکہ شے مستعار کے اتلاف سے مطمئن ہے۔ مگر دینے میں دریغ روا رکھتا ہے۔ اور زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتا کیونکہ جب ایسی چیز کے دینے سے جی چراتا ہے۔ کہ جس کے استرداد کا کامل یقین ہے اس کے واپس آنے کا پورا پورا اعتبار ہے۔ تو زکوٰۃ کس طرح اس کے جی سے نکلے گی۔ زکوٰۃ کا اس کے ہاتھ سے نکلنا۔ گویا گوشت سے ناخن کا جدا ہونا ہے اور جسم سے جان کو آفتاب سے نور کو اور پتھر سے خشونت کو اور پانی سے برودت کو نکالنا ہے۔

سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ نَزَلَتْ بِمَکَّۃَ وَہِیَ ثَلٰثُ اٰیَاتٍ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝	اے ہمارے حبیب ہم نے تم کو کوثر عطا کی سو اپنے پروردگار کی نماز پڑھو۔ قربانی کرو۔ بے شک تمہارے دشمن کا نہ کوئی نام لیوا ہوگا نہ پانی دیوا

تفسیر۔ حضرت عائشہ اور ابن زبیر و ابن عباس کلبی و مقاتل رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔ کہ یہ سورۃ مکہ معظمہ میں اتری ہے اور اس میں تین آیتیں بارہ کلمے بیالیس حرف ہیں۔

اس کے نازل ہونے کا سبب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رض کے بطن سے حضرت صلعم کے دو صاحبزادے تھے۔ قاسم اور عبداللہ ان کا لقب طیب اور طاہر تھا، یہ دونو صاحبزادے بچپن ہی میں تھے کہ گذر گئے تو عرب کے کافر بطور طعن حضور کو ابتر کہنے لگے۔ عرب کے لوگ ابتر اس کو کہتے ہیں جس کا فرزند بعد موت باقی نہ رہے۔ منقطع النسل ہو جائے۔ ایک دن حضور سے عاص بن وائل نے کچھ باتیں کیں۔ جب وہ چلا۔ تو لوگوں نے کہا کس سے باتیں کر رہا تھا۔ کہا ابتر سے۔ اسی طرح ابوجہل وغیرہ اور دوسرے کفار قریش نے بھی کہنا شروع کیا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ انہیں ایام میں کعب بن اشرف مکہ میں آیا۔ کفار قریش نے کہا۔ تم اپنی قوم کے سردار ہو اس لڑکے منقطع النسل کو دیکھو کہ وہ یہ اعتقاد کرتا ہے کہ ہم سے بہتر ہے اس حدیث کو بزاز نے روایت کیا ہے

جس روز آپ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا۔ تو ابولہب نے مشرکوں سے جا کر بتر محمد اللیلۃ یعنی آج رات کو محمد ابتر ہو گئے۔ یہ باتیں سن سن کر حضور کی خاطر عاطر پر کچھ ملال گذرا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی خاطر کے واسطے یہ سورۃ نازل فرمائی

اس کے نزول میں صحابہ کے کئی قول ہیں ہم معنی یعنی بات تو ایک ہے مگر کسی نے کہا عاص بن وائل کے حق میں اتری ہے جیسا کہ قول ابن عباس کا ہے اور یہی قول ہے مجاہد کا اور سعید بن جبیر کا . اور قتادہ کا۔ دوسرا قول ابن عباس کا یہ ہے کہ ابو جہل کے حق میں اتری ہے ،عطا نے کہا ابو لہب کے حق میں آئی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ سبھی کے حق میں ہے جو جو بھی حضور کے ساتھ گستاخی کرتے تھے رب ہی سب طرح کے دین دنیا کے خیر سے منقطع ہو گئے

اور حضور اقدس کا ذکر خیر آج تک جاری ہے اور جاری رہیگا قیامت تک انشاء اللہ

اس سورۃ کا نام کوثر اس واسطے رکھا ہے کہ اس میں کوثر کا ذکر ہے جو ہمارے حضور کے مرتبہ کی کمال بلندی اور بے انتہا بزرگی پر دلیل بین ہے اور دنیا و آخرت میں قیامت کے دن اگلے پچھلے انبیاء اور رسول پیاس کی حالت میں سب حضور کے حوض کے پانی کے محتاج ہونگے دنیا میں حضور کی امت کی کثرت جو اولاد مجازی ہے کیونکہ اولاد دو قسم ہے حقیقی اور مجازی ،سوان دونو قسموں کی کثرت حضور کو اس قدر عطا ہوئی کہ کسی پیغمبر کو اس دسواں حصہ بھی حاصل نہ ہوا ۔

لغت میں کوثر بہتی چیز کو کہتے ہیں ۔ اور یہ کثرت سے مشتق ہے اگر اس طرف خیال کیا جائے تو امت کی کثرت اور امت میں علم کی کثرت ،حقائق و معارف کی کثرت ولایت و امامت ،قطبیت وغیرہ مراتب کی کثرت جس قدر امت میں ان مراتب کے لوگ ہوئے اور ہوتے ہیں کسی نبی کی امت میں نہیں ہوئے۔ اور عرف میں کوثر خاص اس حوض کا نام ہے جو میدان حشر میں ہمارے حضور کو عطا ہوگا ۔ اور حقیقت میں وہ حوض نمونہ ہے خیر کثیر کا جو حضور اقدس کی ذات مبارک کے لئے مخصوص ہے اور آپ کے طفیل سے ان میں سے بہت سے کمالات حضور کی امت کو بھی عطا ہوئے اور ہوتے ہیں اور قیامت تک عطا ہوتے رہیں گے۔ اور اسی معنی کے اعتبار سے بعض نے کہا ہے۔ کہ قرآن اور جاننا

اس کا کوثر ہے اور نماز پنجگانہ بھی اگر اس کی حقیقت پر پڑھی جائے کوثر ہے۔ اور کلمہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اگر اس کی حقیقت و عرفان سے واقف ہو کوثر
ہے اور حقیقت الامر میں کوثر اس حوض کا نام ہے جس کا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور
بموجب احادیث صحیحہ کے اس حوض میں جنت کی جس نہر سے پانی آتا ہے وہ نہر بھی خاص
حضور کے لئے ہے۔ اور اس کا نام بھی کوثر ہے، یہ نہر حضور نے معراج کی رات کو دیکھی تھی
یہ نہر ایک مہینہ کی راہ تک کشادہ ہے۔ اس کے کناروں پر موتیوں اور یاقوت و زبرجد
کے قبے بنے ہوئے ہیں، برابر درخت لگے ہوئے ہیں، جن کی جڑیں سنہری اور شاخیں
زمردی ہیں۔ اور کنکر پتھر اس کے موتی اور یاقوت ہیں۔ اور مٹی اس کی مشک سے
زیادہ خوشبودار ہے اور پانی اس کا میٹھی چیز سے میٹھا اس میں شہد سے، برف سے زیادہ
ٹھنڈا اور خوشبودار ہے اور لذیذ کہ اگر گھونٹ پی لے کبھی اس کا ذائقہ زبان سے نہ جائے
کبھی اس کی لذت کو نہ بھولے اور نہ کبھی پھر پیاس کی تکلیف ہو۔

نہر کوثر۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضرت صلعم کو کچھ اونگھ سی آگئی پھر سر اٹھا کر تبسم
فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا حضور نے کس بات پر تبسم کیا۔ فرمایا۔ ابھی مجھ پر ایک سورت
اتری ہے، پھر یہ سورت پڑھی۔ اور فرمایا تم جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے۔ عرض کیا اللہ اور
رسول جانیں، فرمایا جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دی ہے۔ اس میں
خیر کثیر ہے اس کے پانی پینے کے برتن آئے ہیں۔ اور ایسے ہیں جیسے آسمان کے تارے
میری امت قیامت کے دن وہاں میرے پاس آئے گی، فرشتے کچھ لوگوں کو کھینچکر
لے جانے لگیں گے۔ میں کہونگا کہ یہ میری امت کے آدمی ہیں۔ اور میرے ہیں، مجھ سے
یہ بات کہی جائے گی۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے دین میں انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا
بدعتیں نکالیں تھی۔ اس روایت کو امام احمد نے بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ بچائے بدعت

کے کاسوں سے اور دوسری روایت انہیں سے اس کتاب میں یوں ہے یعنی اس میں آئے لفظ زیادہ ہیں۔ کہ اس نہر کے دونو کناروں پر برابر قبے ہیں موتی کے۔ یعنی آب و تاب میں ان کو موتی سے تشبیہ ہو سکتی ہے۔ اس کی مٹی میں نے ہاتھ میں اٹھائی تو ایسی خوشبودار ہے جیسے مشک اذفر۔ اسکی کنکریاں موتی اور یا قوت ہیں دوسرا لفظ انس کا یوں نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں ایک نہر دیکھی۔ اس کے دونو کناروں پر موتیوں کے قبے ہیں۔ پانی میں میں نے ہاتھ ڈالا کہ دیکھوں یہ کس چیز پر رواں ہے وہ مشک خالص تھا۔ میں نے کہا اے جبریل یہ کیا چیز ہے؟ کہا یہ نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے اس کا نام کوثر ہے۔ رواہ احمد۔ اس کو امام احمد بخاری نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث مسلم میں بھی ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نہر پر گوہر و زبرجد کے محل بھی ہیں۔ ایک روایت یوں ہے کہ بعض لوگوں نے حضور سے پوچھا کہ کوثر کیا ہے۔ حضور نے فرمایا جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دی ہے اس کی مٹی مشک خالص ہے کنکر موتی یاقوت دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں برف سے زیادہ ٹھنڈا اس پر نہایت خوبصورت چڑیاں ہیں موٹی موٹی جیسی اونٹ کی گردنیں۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ چڑیاں بہت عمدہ ہونگی۔ فرمایا ان کے کھانے والے ان سے عمدہ تر ہیں۔ ان روایتوں میں، ابن جریر نے بیان کیا ہے اور امام احمد نے بجائے ابوبکر کے حضرت عمر کا نام لیا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں نے پوچھا ہو یا ایکمرتبہ لوگوں کے سوال کے وقت حضرت ابوبکر نے یہ سوال کیا ہو دوسرے وقت حضرت عمر نے

حضرت عائشہ رضہ کا یہ لفظ ہے کہ میں نے حضور سے پوچھا۔ حضور نے فرمایا۔ ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو دی ہے۔ پھر اس کی صفت بیان فرمائی اس حدیث کو ابن جریر اور احمد اور بخاری نے روایت کیا ہے۔ مسروق حضرت عائشہ

سے روایت کرتے ہیں۔ کہ پوچھا کوثر کیا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ایک نہر ہے بطن جنت میں میں نے کہا بطن جنت کیا ہے۔ فرمایا وسط جنت کو کہتے ہیں۔ باقی وہی صفات اس نہر کی بیان کیں ہیں جو دوسری حدیثوں میں بیان ہوئی ہیں، رواہ عبد بن حمید۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی نہر کوثر سے یہی صفات مروی ہیں اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اسی طرح ابن عمر سے احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

حوض کوثر۔ یہ حوض میدان حشر میں ہوگا۔ اس کی بابت احادیث کثرت سے مروی ہیں۔ کہ اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک متواتر ہیں۔ اس حوض میں نہر کوثر سے پانی آتا ہے۔ گویا یہ اسی نہر کا ایک حوض ہے اسی واسطے اس کی اور اس کی صفات بھی ایک ہیں

اسامہ بن زید کا لفظ مرفوعاً یہ ہے کہ کیچڑ کی زمین یاقوت و مرجان، زبرجد لولو ہے، عطا نے بھی اس حوض کا ذکر اسی طرح کیا ہے اور تمام حدیثیں اس باب میں صحیح ہیں، حوض کوثر تو سب مسلمان جانتے ہیں۔ نہر کو کم لوگ جانتے تھے اس لئے اس کے متعلق کافی بیان کر دیا۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ہم نے تجھ کو نہر عطا کی ہے، کوثر کے دینے کی نسبت پہلے سے اپنی طرف فرمائی۔ انا۔ پھر تاکیداً فرمایا اعطیناک۔ کیونکہ مخاطب پیغمبر بلند قدر ہیں۔ الٰہی بخشش نعمت پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مراد ذات منعم ہے اس کی تاکید و نسبت میں گویا اشارہ ہے۔ گو تمہاری ذرہ عطائے نعمت کی طرف نظر نہیں ہے۔ لیکن باری دی ہوئی چیز واجب التعظیم اور لائق شکر ہے۔ تو تم اس کے شکریے میں۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ اپنے پروردگار کی نماز پڑھو۔ کیونکہ ایسی نعمت کے شکریے ہیں جو نماز پڑھی جائے گی وہ بے حد خلوص اور کمال توجہ باطن کے ساتھ ہوگی۔ اور ایسی نماز ضرور مقبول ہوتی ہے۔ اور نماز در حقیقت کوثر کا نمونہ ہے جس سے نماز ظاہر اور باطن

روحانی اور جسمانی بے انتہا خوبیوں اور برکتوں سے سرافراز ہوتا ہے۔ نمازی کو جو لذت اللہ تعالیٰ کی مناجات سے حاصل ہوتی ہے وہ شہد سے زیادہ میٹھی ہے اور وہ انوار غیبیہ جو اس میں چمکتے ہیں وہ نور دودھ کی سفیدی میں کہاں اور اس سے جو اطمینان و یقین حاصل ہو کر مومن کے دل کو خنکی پہنچتی ہے وہ خنکی اور ٹھنڈک برف سے کب میسر آسکتی ہے جو لطف تازگی سنن و آداب کی رعایت سے نماز میں میسر آئی ہے وہ موسم بہار کی تفریح سے کہاں حاصل ہو سکتی ہے، جو شوق و سرور شراب و سرود میں کہاں رکھا ہے اس کا ایک ایک گھونٹ شوق کی پیاس کو تسکین بخشتا ہے۔ اور دل کی بے چینی کو چین۔ اسی واسطے ہمارے سید و مولیٰ حضور اقدس صلعم فرماتے ہیں قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنی نماز میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے اور چونکہ کوثر بعوض فرزندوں کے حضور کو عطا ہوتی ہے۔ اس لئے مناسب ہوا کہ اس قسم کا بھی شکر ادا کیا جائے۔ جو عطائے فرزند کے وقت ادا کیا جاتا ہے وانحر اور قربانی کرو جس طرح لوگ فرزند عطا ہونے کے بعد عقیقہ کی قربانی کرتے ہیں، مشرک لوگ اپنے بزرگوں اور دیوتوں کے نام کی قربانی کرتے ہیں تم اپنے اللہ کے نام کی قربانی کرو۔ کہ اسلام میں اللہ کے سوا دوسرے کے نام کی قربانی کرنا شرک و حرام ہے۔ کیونکہ حقیقت نحر و ذبح کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر میں مال و جان کا اور دوسری مرغوب چیزوں کا خرچ کرنا۔ اکثر آدمیوں کا معمول ہے اس شریعت میں جان دینے کے عوض میں جانوروں کا ذبح کرنا مقرر ہوا ہے۔ جس میں ظاہر میں مال اور حقیقت میں جان دینے کی صورت و حقیقت دونوں ہیں جو لوگ اپنی یا اپنی اولاد کی یا اپنے غلام لونڈی کی قربانی کرتے تھے وہ اس شریعت میں حرام ہے۔ اس واسطے کہ جان آدمی کی سوا خدا کے کسی دوسرے کی ملک نہیں ہے اور جانور بھی وہی قربانی ہو سکتا ہے۔ جو خاص اسی کا یا کسی اور آدمی کا پالا ہوا ہو جنگلی جانوروں اور درندوں پر قربانی درست نہیں ہے۔ اور پالے ہوئے جانوروں میں بھی

قربانی کے لیے مقرر ہیں جن سے کبھی دودھ کا، سوار ہونے بوجھ لادنے، کھیتی کرنے نسل کو پالنے کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں جیسے اونٹ۔ گائے، بیل، بھیڑ، بکری، دنبہ، بنیڈھا جو فائدہ اٹھانے کی غرض سے گھروں میں پالے جاتے ہیں۔ اور سجدہ و قربانی خالص خدا کی ذات پاک کے لئے ہے فرمایا۔ قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین اے ہمارے حبیب تم کہدو میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا خالص اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے مجھ کو یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے مسلمان ہوں۔

اور فرمایا ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا ہو۔ اور بے شک یہ کھانا گناہ ہے

نحر کی تفسیر میں بہت سے اقوال مفسرین نے نقل کئے ہیں۔ مگر وہ سب ضعیف ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ نحر سے مراد قربانی ہے۔ حضور اقدس نماز عید پڑھ کر اپنی قربانی ذبح کرتے اور فرماتے۔ جس نے ہماری سی نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی اسکی قربانی ہوئی اور جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا۔ اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ ابو بردہ بن نیار نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنی بکری نماز سے پہلے ذبح کر ڈالی۔ اور یہ جانا آج وہ دن ہے جس میں گوشت کی خواہش ہوتی ہے فرمایا فقط بکری کا گوشت ہوا قربانی نہ ہوئی۔ اس نے عرض کیا میرے پاس ایک عناق ہے جس کو میں دو بکریوں سے بھی زیادہ چاہتا ہوں کیا وہ مجھے کفایت کرے گی فرمایا۔ تجھ کو کافی ہے پیتر ے بعد کسی دوسرے کو کافی نہ ہوگی۔

عناق بکری کے ۶ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں۔ حضور رحمۃ نے اس کی دلگیری اور ملال اور خلوص کو دیکھ کر اس کے واسطے یہ مخصوص حکم دیدیا۔ ورنہ ایک سال سے کم

کی بکری قربانی نہیں ہو سکتی۔ ان روایتوں کو ابن جریر اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرکے ہٹیک بات صحیح مطلب اس آیت شریف کا یہی ہے کہ حضور اقدس صلعم کو حکم ہوتا ہے۔ کہ اپنی ساری نماز محض اپنے اللہ کے لئے پڑھو۔ اسی طرح اپنا ذبیحہ بھی خاص اللہ کے لئے کرو۔

نماز عبادت بدنی ہے اور ذبح عبادت مالی۔ مراد یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت خواہ بدنی ہو یا مالی۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لئے درست نہیں ہے اس ارشاد سے ہر قسم کے شرک اور بدعت کی گویا جڑ کٹ گئی

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ بےشک تمہارا دشمن برا چاہنے والا۔ ابتر ہے اسی کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا۔ اور تمہاری تو نسل ظاہری اور باطنی قیامت تک قائم رہے گی۔ اور تمہارا ذکر خیر ہمیشہ جاری رہیگا، تمہاری امت منبروں اور میناروں پر چڑھ کر ہمارے نام کے ساتھ تمہارا نام پکارا کرے گی اور پانچوں وقت نماز میں اور سوائے اس کے ہر وقت تم پر درود پڑھا کرینگے۔ اور تمہارے سنت و طریق کی محبت میں تمہارے لاکھوں محب جان کی بازیاں کرینگے اور عاشقانہ تمہاری قبر کی زیارت کو دوڑا کرینگے۔ اور تمہارا دشمن ایسا گمنام ہوگا۔ کہ کوئی اس کا نام بھی نہ لے گا۔ اگر اتفاقاً ذکر آبھی جائے تو لعنت اور پھٹکار کے ساتھ۔

اہل عرب کی اصطلاح اور محاورے میں ابتر اس شخص کو کہتے ہیں جسکی نسل باقی نہ رہے۔ اور دنیا میں اس کا ذکر خیر جاری نہ ہو۔ قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی بھی بڑے زور سے پوری ہوئی۔ اور کسی کو مجال نہیں۔ جو اس پیشین گوئی کے پورا ہونے میں کلام کر سکے جن دشمنوں نے آپ کو لفظ ابتر کہا تھا۔ وہ دوست دشمن سب کے نزدیک دنیا اور دین کی خیر سے منقطع ہوگئے اور حضور کے لاکھوں کروڑوں عاشق ہر وقت ہوتے رہتے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ اور قیامت تک رہینگے

سُورَۃُ الکَافِرُونَ نزلت بمکۃ وھی ست آیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ یَا اَیُّھَا الکَافِرُوْنَ ۝ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝ وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝

اے ہمارے حبیب کہدو اے منکرو میں ان چیزوں کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو۔ اور نہ تم اس کو پوجتے ہو جس کو میں پوجتا ہوں۔
اور میں کبھی پوجنے والا نہیں ہوں جن کو تم نے پوجا ہے
اور نہ تم پوجنے والے ہو جس کو میں پوجتا ہوں، تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

تفسیر۔ ابن مسعود اور حسن اور عکرمہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس کی چھ آیتیں اور چھبیس کلمے اور ننانوے حروف ہیں۔ اور اس سورۃ کا نام کافرون اسواسطے رکھاہے کہ معاملہ عبادت ہیں جس کے واسطے سب لوگ پیدا ہوئے ہیں اسی سورت کے مضمون نے مسلمان اور کافروں کی ایک جماعت ابو جہل اور عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ اور اسود بن عبد یغوث۔ اور اسود بن عبدالمطلب وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی معرفت حضور کو پیغام بھیجا کہ اگر تم ہمارے معبودوں کو برا نہ کہو۔ اور ان کو اللہ کی درگاہ میں شفیع مان لو۔ تو ہم کو تمہارے معبود کی بزرگی تسلیم کرلینے اور اس کی عبادت کے بجالانے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی

ابن عباس کہتے ہیں کہ قریش نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ ہم تم کو اتنا مال دیں۔ کہ مکہ میں کوئی تمہاری برابر مالدار نہ ہو۔ اور جس عورت سے چاہو۔ تمہارا نکاح کرا دیں لیکن تم ہمارے معبودوں کا برائی کے ساتھ ذکر نہ کرو۔ اور اگر تم کو یہ بات منظور نہیں ہے۔ تو ہم ایک اور بات کہتے ہیں۔ کہ ایک سال تم ہمارے معبودوں کو پوجو اور ایک سال ہم تمہارے معبودوں کو۔ اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اگرچہ یہ سورت کفار قریش کے واسطے نازل ہوئی ہے۔ مگر تمام کفار کے لئے یہی جواب ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلعم نے اس کو اور قل ہو اللہ احد کو طواف میں پڑھا تھا۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا فجر کی دو رکعتوں میں ان سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ یہ دونوں روایتیں مسلم شریف کی ہیں۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا۔ کہ رسول کریم فجر اور مغرب کی سنتوں میں بیس مرتبہ سے زیادہ پڑھا کرتے تھے۔ اس کو احمد۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے بیان کیا

ابن عمر کی روایت میں اسی سورۃ کو چوتھائی قرآن اور قل ہو اللہ کو ثلث قرآن فرمایا ہے اس کو محمد بن نصر اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

ابی کہتے ہیں کہ حضرت سبح اسم۔ اور قل یا اور قل ہو اللہ۔ پڑھا کرتے تھے اس کو حاکم نے روایت کیا۔ اور صحیح کہا ہے۔

نوفل بن معاویہ اشجعی کہتے ہیں۔ کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دو کہ میں بستر پر جا کر پڑھا کروں، فرمایا سورہ کافرون پڑھ کر سویا کر کہ برات ہے شرک سے اس کو احمد اور اہل سنن نے روایت کیا ہے

ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا۔ کہ میں تم کو ایسی بات بتا دوں جو تم کو اشراک باللہ سے نجات دے سورہ کافروں سوتے وقت پڑھا کرو۔ اس کو ابو یعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس نے دو صورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اسپر کچھ حساب نہیں ہے. قل یا اور قل ہو اللہ اس کو ابن مردویہ نے روایت کیا. زید بن حارث کہتے ہیں. کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. کہ جب فرش پر سونے کے لئے جاؤ تو ان دونو سورتوں کو پڑھ لیا کہ یہ برارت ہے شرک سے.

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ۲۴ بار یا ۲۵ بار دیکھا. کہ فجر کی سنتوں میں قل یا اور قل ہو اللہ پڑھتے تھے اس کو احمد نے روایت کیا ہے.

خباب نے بیان کیا. کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. کہ جب تو بستر پر جایا کرے تو سورہ کافرون پڑھ لیا کر اور حضور خود بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے. یعنی یہ سورت پڑھا کرتے تھے اس کو بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے.

قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اے ہمارے حبیب ان سے کہدو کہ اے کافروں مراد ان سے وہ لوگ ہیں. جن کی موت کفر پر ہی اللہ تعالیٰ کے علم پر مقرر ہے. اور جو شخص آخر میں ایمان لے آئے وہ عند اللہ کافر نہیں ہے جو بظاہر کافر معلوم ہوتا ہے. لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ. میں ان چیزوں کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو. اس واسطے کہ جن کو تم پوجتے ہو وہ پتھر ہے یا درخت یا پانی یا آگ یا ستارہ یا شیطان یا فرشتہ بزرگ یا کوئی روح. اور میں ان کو یا ان کے سوا کسی چیز کو ہی سوائے خدا کے عبادت کے لائق جانتا ہی نہیں وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ. اور نہ تم اس کو پوجتے ہو. جس کو میں پوجتا ہوں. اور تم بہت سی چیزوں کو صفات الہی کا منظر جانکر رنگ برنگ سے انکی پرستش کرتے ہو جنیں سے ایک بھی لائق پرستش نہیں ہے. کیونکہ مخلوقات میں صفات الہی کا ظہور ان کی استعداد

کی فراخی کے موافق ہوتا ہے اور مخلوقات میں سے کوئی ایک ہی ایسی لیاقت نہیں رکھتا
کہ اس میں کماحقہ صفات الٰہی ظہور فرمائیں ورنہ وہ مخلوق نہیں ہو سکتا۔ اور تم یہ
اعتقاد رکھتے ہو۔ کہ تمہارے معبود صفات الٰہی کے کامل اور پورے مظہر ہیں۔ تو حقیقت
میں تمہارے اعتقاد سے صفات الٰہی میں نقصان لازم آتا ہے اور حقیقت تمہاری
عبادت خدا کی عبادت ہی نہیں ہے، تمہاری یہ بات محض اٹکل بچو ہے اِنْ یَتَّبِعُوْنَ
اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ۔ یہ تو نری اور اٹکل اور نفس کی خواہش پر چلتے
ہیں۔ تو اس صورت میں آپ کیا آگے کو بھی کبھی ہم سے اس بات کی امید نہ رکھو
وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ۔ اور میں کبھی پوجنے والا نہیں ہوں ان کو جن کو تم
نے پوجا ہے۔ کیونکہ تم بہت سے اسموں اور صورتوں کو پوجتے ہو اور میں اس ذات
واحد کا پجاری ہوں جو رب مخلوق کا خالق ومالک ہے جس میں تمہارے معبود بھی
شامل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ
اور نہ تم پوجنے والے ہو اس کو جس کو میں پوجتا ہوں اس لئے کہ تمہاری عبادت
محض صورتوں اور اسموں کی ہے اور میں معبود حقیقی کی عبادت کرتا ہوں۔
لَكُمْ دِيْنُكُمْ تمہارے لئے تمہارا دین جو حقیقت سے محض دور اور محض اٹکل
ہی اٹکل ہے وَلِیَ دِیْنِ اور میرے لئے میرا دین جو محکم اور مضبوط ہے اور یہ وہ
دین ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے خود ہدایت کی ہے وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ
الْهُدٰى۔ اور ان کو پہنچی ہے ان کے رب کی طرف سے ہدایت اور جس دین سے
خود اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی ہے وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ
دِيْنًا۔ اور تمہارے لئے میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔ اور یہ دونوں دین نہ اصول
میں ملتے ہیں نہ فروع میں نہ تماثل کی صورت میں۔ اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں
کہ اس صورت میں ان اعمال سے بیزاری ہے جو مشرک کرتے ہیں اسمیں اخلاص

کرنے کا حکم ہے اور لفظ کافرون ہر کافر کو شامل ہے جو روئے زمین پر ہے اگرچہ مخاطب اس کے قریش ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے تمام اعمال سے تبرا کیا کیونکہ عابد کو ایک معبود کی عبادت کرنی چاہیئے اور اسی کی بتائی ہوئی راہ پر چلنا چاہیئے۔ سو ہمارے حضور اکرم اور حضور کے تمام پیرو اللہ تعالیٰ کو اس شرع کے موافق پوجتے ہیں۔ اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے یہی معنی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں۔ اور نہ سوا اس راہ کے جو راہ رسول اللہ صلعم لائے ہیں۔ کوئی راہ ہے دین۔ مشرک سو وہ غیر اللہ کے پوجنے والے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ لہٰذا ان سے کہہ دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور ہمارے لئے ہمارا دین۔ امام بخاری نے فرمایا تمہارے لئے تمہارا دین کفر اور ہمارے لئے ہمارا دین اسلام۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ پ۱۱ اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو کہہ دے میرے لئے میرے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل تم ذمہ دار نہیں میرے اعمال کے اور میں ذمہ دار نہیں تمہارے اعمال کا۔ اور فرمایا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ "ہمارے لئے ہمارے کام اور تمہارے لئے تمہارے کام" بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا۔ اور ان میں سے بہتوں کو اس کلام سے جو تیرے رب نے تجھ پر نازل کیا ہے۔ شرارت اور انکار زیادہ ہوگا۔

ابن جریر نے ایک روایت ابن ابی حاتم اور طبرانی سے بیان کی ہے کہ اس سورت کے بعد اس سے متصل یہ آیت اتری اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ پ۲۴ اب اللہ کے سوا کسی اور کو بتلاتے ہو۔ کہ میں اس کو پوجوں اے جاہلو۔

اور یہ قول مطابق ہے حضرت ابراہیم کے اس قول کے انی بری مما تعبدون

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ بے شک مجھے تو ان بتوں سے کچھ سروکار نہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ ہاں مجھ کو اس خدا سے سروکار ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھ کو راہ دکھائے گا۔ اور گروہ موحدین کا بھی یہی قول ہے وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا اور جب تم نے اپنی قوم اور خدا کے سوا جن معبودوں کی وہ پرستش کرتے ہیں۔ ان سے کنارہ کشی کر لی۔ تو چلو کسی غار میں چلکر بیٹھ رہیں تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت کو پھیلا دیگا۔ اور تمہارے اس ارادت میں سہولت کے سامان مہیا کردیگا

لہٰذا حضور صبح و شام دونو وقت فجر اور مغرب کی سنتوں میں ان دونو سورتوں قل یا اور قل ہو اللہ کو پڑھا کرتے تھے۔ اور سوتے وقت بھی پڑھ کر سوتے تھے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے۔ کہ یہ سورت آیہ سیف سے منسوخ ہے۔ بعض محققین کا اتفاق ہے کہ یہ سورت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے اور اس کا عموم نص محفوظ ہے یہ ان سورتوں میں سے ہے جن میں نسخ محال ہے۔ یہ سورت قواعد خاص توحید کی تاکید کرتی ہے۔ اسواسطے اس کو بھی سورہ اخلاص کہتے ہیں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہ بات مشہور ہے۔ یہ سورت آیت قتال سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ تحقیق ہے کہ منسوخ نہیں ہے اس واسطے کہ اس سورت کا مضمون مسلمانوں اور کافروں کے دین کی کمال جدائی اور فرق کے بیان میں ہے نہ یہ کہ کافروں سے تعرض نہ کرنا۔ ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ اس سورت میں تکرار عبادت سے تاکید مراد ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں اس تکرار کا مطلب یہ ہے کہ نہ ہم نے زمانہ ماضی میں تمہارے معبودوں کی کبھی پرستش کی نہ آئندہ زمانہ استقبال میں کرینگے

اس سورت کے فضائل اور بیان میں بہت کثرت سے حدیث مروی ہیں اور اس سورت اور قل ہو اللہ کا فجر اور مغرب کی سنتوں میں پڑھنا مسنون ہے۔

سُوْرَةُ النَّصْرِ نَزَلَتْ بِالْمَدِیْنَةِ وَهِیَ ثَلٰثُ اٰیَاتٍ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

جب آئی مدد اللہ کی اور فتح ہوا مکہ اور تم اے حبیب دیکھو گے لوگوں کو۔ کہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوتے ہیں پس تسبیح کے ساتھ اپنے رب کی حمد کرو۔ اور (امت کے لیے) بخشش طلب کرو۔ بے شک تمہارا رب بڑا بخشنے والا ہے۔

تفسیر یہ سورۃ باتفاق علما صحابہ مدنی ہے اور اس کو سورہ تودیع اور فتح بھی کہتے ہیں اس کی تین آیتیں۔ انیس کلمے اور اناسی حروف ہیں بیہقی نے ابن عباس سے اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ام حبیبہ سے روایت کیا ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ میں نے تمہیں پر تم میں اللہ کے دین کی تبلیغ کی۔ اب اللہ سے ملنے اور تم سے رخصت ہونے کا وقت آگیا ہے اس پر حضرت فاطمہ رض رونے لگیں۔ فرمایا میری اہل بیت میں سب سے پہلے تو مجھ سے ملے گی۔ اس سے حضرت سیدہ خوش ہوگئیں یہ پیش گوئی حضرت صلعم کی پوری ہوئی۔ قرآن میں سب کے پیچھے یہی سورت اتری ہے اس کے بعد حجۃ الوداع کے دن یہ آیت اتری اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ اس کے بعد اسی روز آپ دنیا میں اور رہے۔ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے۔ مکہ معظمہ رمضان سنہ ہجری میں

فتح ہوا۔ اور وفات حضور انور کی بارہ ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی۔ تاریخ سال ہجری کی یکم محرم سے لگائی جائے تو ۱۱ھ کے دو ماہ ۲ ایوم گذر چکے تھے اور ہجرت کی بھی یہی تاریخ ہے۔ جن لوگوں نے حضور کی وفات ۱۰ھ میں بیان کی ہے وہ اس دو ماہ ایوم کو اس کمی میں لگا لیتے ہیں جو ہجرت کے وقت تھی تو ان کے قول کے بموجب وفات حضور یعنی ختم و کمال سال دہم میں صحیح ہوگی۔ چونکہ اس سورت کا مضمون قرب وفات کی خبر دیتا ہے اس لئے اس کو سورہ تودیع بھی کہتے ہیں۔ یعنی وداع کی سورت حضور نے اس سورت کو بھی ربع قرآن فرمایا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ جب آئی اللہ کی مدد یعنی کافروں پر استعمال سنان دشمشیر سے اور منافقوں اور بدعتیوں پر قایم کرنے حجت و دلیل سے اور نفس پر کثرت ذکر سے اور شیطان پر پرہیزگاری کے لازم پکڑنے سے۔ دین کے یہی چار دشمن ہیں جو سچے دین میں خلل ڈالتے اور سیدھی راہ سے بہکاتے ہیں۔ چونکہ آنحضرت کی بعثت سے ان چاروں دشمنوں کو دفع اور مغلوب کرنا حضور کی بعثت کا مقصد تھا۔ لہٰذا نصرت الٰہی سے وہ پورا ہوا۔

وَالْفَتْحُ۔ اور فتح ہوا مکہ اور اس کے ساتھ کفر کے بڑے بڑے مکان جو جزائے عرب میں تھے سب فتح ہو گئے اور تمام بت خانے ٹوٹ گئے فتح ہر مرتبہ میں نصرت الٰہی کی فرع اور اس کے تابع ہے۔ پس نصرت اشارہ ہے ہر مرتبہ کے اوائل اور بیچ کے مرتبہ کی طرف سے اور فتح اشارہ ہے انتہا اور کمال کے مرتبہ کی طرف مطلب آیت کا یہ ہوا۔ کہ وہ حرکت جو نقصان سے کمال کی طرف شروع ہوئی تھی انتہا کو پہنچی اب ارشاد ہوتا ہے وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ اور تم اے حبیب لوگوں کو دیکھو گے۔ کہ اللہ کے دین اسلام میں فوج فوج گروہ گروہ قبیلے کے قبیلے داخل ہوئے۔ اگرچہ ....

اسلام میں شروع سے لوگ داخل ہوتے تھے۔ لیکن تھوڑے تھوڑے بعد اس نصرت و فتح کے سینکڑوں اور ہزاروں داخل ہونے لگے اور بڑے بڑے شہر کفار کے فتح ہوئے چنانچہ بنی اسد اور بنی کنانہ اور بنی مرہ اور بنی ہلال اور فزارہ اور بنی امر اور بنوطی اور تمیم اور یمن اور شام اور عراق کے لوگ ہر روز جوق جوق حاضر ہوکر مسلمان ہونے لگے فتح مکہ کی تفصیل شرح وبسط کے ساتھ تو سیرہ حافظ ابن کثیر رہ کی دیکھو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے کہ یکبارگی فرمایا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر جاء نصر اللہ والفتح جاء اھل الیمن اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کی مدد اور فتح آئی۔ اہل یمن آئے، عرض کیا اے رسول اللہ اہل یمن کون ہیں فرمایا وہ رقیقۃ قلوبھم لینۃ طباعھم الایمان یمان والفقہ یمان والحکمۃ یمانیۃ فرمایا وہ ایک قوم ہیں جن کے دل نرم ہیں طبیعتیں ملایم ہیں۔ ایمان یمن کا ہے فقہ یمن کی فقہ ہے۔ حکمت یمن کی حکمت ہے اس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ اسی کے ہم معنی ایک روایت طبرانی نے بیان کی ہے۔ بعض جلسا حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عرب کے قلعہ جات اور شہر فتح کردے تو ہم اللہ کی حمد وثنا۔ اور استغفار کریں۔ ابن کثیر کہتے ہیں۔ کہ یہ معنی ہی صحیح ہیں۔ شاہد اس کی یہ حدیث ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت نے ضحیٰ کے وقت آٹھ آٹھ رکعتیں پڑھی تھیں دو دو رکعت پر سلام پھیرا جیسا کہ ابوداؤد میں ہے حضرت مع تمام لشکر کے ۱۹ دن مکہ میں رہے نماز قصر پڑھی، روزہ افطار کیا جب لشکر حضور کا دس ہزار تھا۔ یہ نماز فتح مکہ کا شکریہ تھا۔

حدیث میں ہے جب امیر لشکر کوئی شہر فتح کرے تو داخل ہوکر اول آٹھ

رکعتیں پڑھے، سعد بن ابی وقاص نے شہر مدائن کے فتح کے دن یہ آٹھ رکعتیں پڑھی تھیں۔

فتح سے مراد باتفاق جمیع علما صحابہ فتح مکہ ہے، تمام قبایل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے۔ کہ اگر حضرت صلعم اپنی قوم پر غالب ہو گئے، تو ہم جان لیں گے کہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ جب مکہ فتح ہو گیا۔ تو جوق جوق لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے دو برس نہ گزرے تھے کہ سارا جزیرہ عرب مسلمان ہو گیا۔ عرب میں ایک شخص بھی ایسا نہ رہا جس نے اظہار اسلام نہ کیا ہو۔ عمر بن سلمہ کہتے ہیں جب یہ فتح ہوئی تو تمام قبائل عرب ایمان لانے میں جلدی کرنے لگے۔ وہ یہی راہ دیکھتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ چھوڑ دو حضرت کو اور حضرت کی قوم کو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب ہو گئے تو سچے نبی ہیں۔ اس کو بخاری نے بیان کیا۔

عکرمہ اور مقاتل نے کہا۔ کہ مراد وَرَأَيْتَ النَّاسَ سے اہل یمن ہیں۔ کہ سات سو آدمی ایک ہی بار آئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور چونکہ قرآن کا نزول اور اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی قوت پوری ہو چکی اور آپ کے فیض صحبت سے صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ جیسے چیدہ لوگوں کے نفوس کی تکمیل ہو گئی تو اب دنیا میں حضور کے تشریف رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہی اور اب آپ کو ایک دوسرے امر کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ کہ اپنی امت کی بخشش کی خبر لو۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ۔ اب اپنے رب کی تسبیح اور تقدیس کے ساتھ اس کی حمد و ثنا کرو اور امت کے لئے ہم سے بخشش طلب کرو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب عارف مرتبہ کمال پر پہنچا اور مدارج عرفان کی تکمیل کر چکا اور ہر قسم کے لوگ اس کے تابع ہوئے تو ان کی استعدادوں کے نقصان و کمال ضرور متفاوت ہونگے تو ناقصوں کی تکمیل کے لئے بخشش طلب کرنی ضرور چاہئے۔

تاکہ قیامت کے دن استعداد اصلیہ کے رب نقصان اس کے اتباع کے سبب سے اس کے کمال کیطرف کھچ جائیں اور وہ اس لائق ہوجائیں کہ انکی شفاعت کی جائے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کو بہت پڑھا کرتے تھے۔ سبحانک اللّٰھم ربنا وبحمدک الخ ترمذی کے یہ حدیث تمام صحاح میں ہے ایک روایت میں ہے۔ آخر میں حضور یہ الفاظ بہت پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ استغفر اللّٰہ وَاَتُوبُ اِلَیْہِ اور حضور فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ میں اپنی امت میں ایک نشانی دیکھو لگا اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ جب وہ نشانی دیکھوں تو تسبیح اور حمد و استغفار کروں تو وہ توبہ کا قبول کرنے والا ہے، اب میں نے وہ نشانی دیکھ لی۔ اللہ تعالیٰ کی نصر اور فتح کی اور دین اسلام میں جوق جوق لوگ داخل ہونے لگے اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم اُٹھتے بیٹھتے آتے جاتے یہ کلمات بہت پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ کلمات بہت پڑھتے ہیں، فرمایا مجھ کو اس کے پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ اس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ بعض نے کہا تسبیح و استغفار انبیا علیہم السلام کی ایک عبادت ہے اور اکثر علما نے یہی فرمایا ہے کہ امت کے واسطے استغفار کرنے کا حکم ہے۔ کیونکہ حضور کے تو پہلے پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے تھے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ پ ۲۶۔ تاکہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردے اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا مقرر وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ تم جب اس سے امت کے قصوروں کی بخشش طلب کروگے تو کچھ بعید نہیں کہ تمہارے تابعوں سے وہ نقص استعداد کو دور کرکے اپنی رحمت سے انکی تکمیل کردے کیونکہ اس کی شان کریم یہ ہے کہ جو کوئی

اسکی طرف رجوع لاتا ہے بخشش مانگتا ہے وہ اسپر رحم فرماتا ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ حضور اس دعا کو رکوع اور سجود میں پڑھتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ پاک ہے تو یا اللہ مجھ کو بخش دے۔ ابن عباس رضی اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شیوخ بدر کے ساتھ مشورہ میں مجھے بھی شریک کر لیتے تھے۔ شاید ان میں سے کسی کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ کہ بوڑھوں کے ساتھ مجلس مشورہ میں مجھے یہ لڑکا کیوں آ بیٹھتا ہے۔ حضرت عمر نے ایک دن ان سب کو بھی بلایا مجھ کو بھی۔ مجھے بالکل علم نہ ہوا۔ کہ کیوں بلایا ہے۔ پھر آپ نے ان سے فرمایا تم جانتے ہو یہ کون ہے۔ پھر ان سے دریافت کیا کہ اس کا مطلب بیان کرو اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ بعض نے کہا ہم کو حکم ہوا ہے۔ کہ ہم اس کی تسبیح اور حمد اور استغفار کریں۔ کیونکہ اس نے ہم کو نصرت اور فتح دی اور بعض خاموش بیٹھے رہے کچھ نہ بولے۔ پھر حضرت عمر نے مجھ سے فرمایا یہ بات اس طرح ہے تم بھی یہی کہتے ہو۔ میں نے کہا اس میں رسول اللہ صلعم کی وفات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتایا ہے کہ یہ علامت ہے تمہاری وفات کی۔ اب تم حمد اور استغفار کرو۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ مجھے بھی یہی معلوم ہے اس حدیث کو تنہا امام بخاری نے بیان کیا ہے اور اسی مضمون کی مانند ابن جریر نے بھی روایت کی ہے۔ اور یہی قول ہے ابو العالیہ اور مجاہد وضحاک اور سوا ان کے بہت سے لوگوں کا

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ	ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور خود بھی ہلاک ہو گیا

اس کا مال اور اس کی کمائی کچھ بھی اس کے کام نہ آئی اب وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اسکی جورو بھی۔ لکڑیوں کا گٹھا اٹھانیوالی اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رسی ہوگی۔	مَا اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۠

تفسیر سورہ تبت یہ سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور اس کو سورہ لہب بھی کہتے ہیں۔ اس میں پانچ آیتیں ۲۱ کلمے اور اکیاسی حروف ہیں اور اس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی اے ہمارے حبیب اپنے قریبی ناتے والوں کو ڈرادے تو حضرت نے اپنے تمام کنبہ والوں کو الگ الگ سمجھایا۔ پھر تمام اہل مکہ کو کوہ صفا پر جمع کیا۔ اور فرمایا۔ اگر میں تم سے کوئی ایسی بات کہوں جو تمہاری عقل میں نہ آتی ہو۔ تو تم یقین کروگے۔ مثلاً میں کہوں۔ کہ ایک بڑا لشکر تمہارے لوٹنے کو اس پہاڑ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کہ گھات پاکر تم کو لوٹ لے تو تم میرے اس کہنے پر یقین کروگے یا نہیں؟ سب کے سب کہنے لگے کہ ضرور یقین کرینگے۔ کیونکہ بچپن سے اس وقت تک کبھی آپ کو جھوٹ بولتے ہوئے کسی نے نہ سنا نہ دیکھا۔ اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں جو قرآن مجید اور میری تکذیب سے تم پر آنے والا ہے۔ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو ضرور خدا کا عذاب تم کو پہنچے گا۔ تم دنیا میں بھی ذلیل اور خوار ہوگے اور آخرت میں بھی خدا کی وعید تم پر پوری ہوگی۔

ابولہب نے حضور کی جناب میں بہت سخت کلمات کہہ کر دونوں ہاتھوں سے حضور کے اوپر پتھر پھینکے۔ اور کہنے لگا تیرا برا ہو۔ تو نے اسی لئے ہم کو بلایا تھا۔ اسپر یہ سورت

نازل ہوئی۔

ابولہب کا نام عبد العزیٰ تہا۔ اس کا رنگ بہت سرخ و سپید ہونے کی وجہ سے ابوالہب اس کی کینت اس کے والد نے رکہی ہتی۔ لہب کہتے ہیں۔ آگ کے شعلے کو۔ مگر یہ نام اس منحوس کے حق میں ایسا نامبارک ہوا۔ کہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کی دہکتی آگ میں بھی اس کو رہنا پڑا۔

ابن عباس کہتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطحا سے نکل کر پہاڑ پر چڑہے اور پکارا یاصباحاہ۔ قریش جمع ہوگئے۔ اور پہر وہ سب کچہہ جو اوپر ذکر ہوا حضور نے فرمایا۔ ابوجہل نے کہا دیوانہ ہے ناحق لوگوں کو تکلیف دی اور حضور سے فرمایا۔ کہ تیرے دونو ہاتہہ ٹوٹیں۔ اللہ نے فرمایا تبت یدا ابولھب تا آخر اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ دوسرا لفظ یہ ہے کہ ابوجہل اپنا ہاتہہ پٹخنے لگا۔ اور کہا تبا لک سائرالیوم الہذا جمعتنا۔

ربیعہ بن عباد کہتے ہیں۔ کہ میں نے دیکہا۔ کہ ایک روز حضرت ۲ بازار ذی المجاز میں وعظ فرما رہے تہے۔ لوگ حضور اقدس کے پاس جمع تہے۔ حضور نے فرمایا اے لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ مراد کو پہنچو۔ ایک شخص کہنے لگا یہ صابی ہے جہوٹ بولتا ہے اس کا کہنا نہ ماننا جب یہ شخص غل مچانے لگا۔ حضور وہاں سے ہٹ گئے جہاں آپ جاتے یہ بہی آپ کے پیچہے پیچہے جاتا۔ اور وہی کہتا جو اوپر بیان ہوا میں نے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا یہ آپ کا چچا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔ ابوالزناد نے ربیعہ سے پوچہا تم اسوقت بچے ہوگے۔ کہا نہیں میں ہوشیار تہا۔ پانی کی مشک بہرتا تہا۔ ان الفاظ کو تنہا امام احمد نے بیان کیا ہے

طبرانی میں اشتیں ربیعہ سے یہ روایت بہی ہے کہ ایک دن میں اپنے باپ کیساتہہ گیا

وہ جوان تہا۔ میں نے حضرت کو دیکھا۔ کہ قبایل عرب کے پیچھے آپ تشریف لیے جاتے ہیں میرے والد اور میں بھی ساتھ ہو گئے۔ حضور نے کھڑے ہو کر قبیلے سے فرمایا۔ اے بنی فلان میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تم کو حکم کرتا ہوں کہ تم اللہ کو پوجو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو اور میری تصدیق کرو۔ اور جو حکم مجھ کو اللہ تعالےٰ نے دیا ہے اس کو بیان کروں۔ تو مجھ کو نہ روکو، ابو جہل پیچھے کھڑا کہنے لگا اے بنی فلان یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے معبود لات و عزاے کی پرستش چھوڑدو اور جو یہ بدعت ضلالت یہ شخص لایا ہے اس کو اختیار کرو، تم اس کی بات نہ سنو اور اس کا کہنا نہ مانو۔ غرض یہ کہ یہ مردود حضور کا سخت دشمن تہا۔ ہمیشہ آپ کو قسم قسم کی تکلیفیں دیتا۔ اور سخت و سست کہتا۔ اور اس کی جورو اس سے بھی زیادہ آپ کی دشمن تھی۔ اور ایسی بخیل تھی۔ کہ جنگل سے ایندھن بھی آپ خود لاتی تھی اور کانٹے جنگل سے لاکر مسجد اور حضور کے مکان کے درمیان میں بچھا دیتی کہ آپ صبح اندھیرے میں نماز کو جائیں۔ تو آپ کو کانٹوں سے تکلیف پہنچے اس کا نام عورا ام جمیل بنت حرب تھا۔ ابوسفیان کی بہن تھی۔ بڑی خیل خور، اس کو ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ اسما بنت ابی رضہ کہتی ہیں جب سورہ تبت نازل ہوئی، تو ام جمیل غصہ اور غضب میں بھری ہوئی بڑے جوش و خروش سے چیختی چلاتی اور اپنے باپ و دادا کا نام فخر و تعلی سے لیتی ہوئی۔ اور یہ کہتی ہوئی حضور اقدس کی طرف آئی حضور مسجد میں تشریف رکھتے تھے، اور آپ کے پاس ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ مردار آتی ہے۔ مجھ کو ڈر ہے کہ حضور کو دیکھ کر وہ کچھ جھک لادے اور حضور کے دل کو تکلیف ہو۔ حضور نے فرمایا یہ مجھے نہ دیکھے گی اور قرآن میں سے کچھ پڑھا واذا قرءت القرآن جعلنا بینک وبین الذین لا یؤمنون بالاخرۃ حجابا مستورا اور جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تجھ میں اور ان لوگوں

جو آخرت کا یقین نہیں کرتے ایک پوشیدہ پردہ کر دیتے ہیں۔

وہ آن کر ابوبکر کے پاس کھڑی ہو گئی اور حضور کو نہ دیکھا۔ ابوبکر سے کہا میں نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے۔ ابوبکر نے کہا قسم ہے اس گھر کے صاحب کی۔ کہ میرے صاحب نے تیری ہجو نہیں کی۔ پھر یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔

جب وہ چلی گئی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اس نے حضور کو نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک فرشتے نے مجھ میں اور اس میں اوٹ کر لی تھی۔ اس حدیث کو بزار نے بیان کیا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زبان دراز منہ پھٹ کلام کرنے والی عورت بہت بری ہوتی ہے۔ ایسی عورت کے منہ نہ لگنا چاہیئے۔ جہاں تک ممکن ہو اس سے الگ اور دور رہیے۔

ابولہب بدنصیب کہ آخر عمر تک حضور اقدس سے عداوت ہی رہی اور ہمیشہ حضور کے شہید کر دینے کی فکر میں رہا۔ مگر جس کی حافظ حقیقی حفاظت کرے اس کا کون بال بیکا کر سکتا ہے۔ آخر یہ خود ہی نہایت ذلت و خواری کے ساتھ واصل جہنم ہوا۔

کتب سیر میں لکھا ہے کہ حضور اقدس ص کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور کلثوم اس کے دو بیٹوں۔ عتبہ اور عتیبہ منسوب تھیں۔ حضور کی نبوت کا اعلان ہوا۔ تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ اگر میری رضامندی چاہتے ہو۔ تو اس تعلق سے دست بردار ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمام عمر تمہارا منہ نہ دیکھوں گا۔ عتبہ تو یہ بات سن کر خاموش ہو گیا۔ اور عتیبہ کمال بے حیائی سے حضور اقدس جب مجلس میں تشریف رکھتے تھے وہاں آ کر کھڑا ہوا۔ اور یہ کہہ دیا کہ میں نے آپ کی بیٹی کو طلاق

دی اور یہ نالایق کچھ بیہودہ بکتا ہوا چلا گیا۔ حضور نے باآواز بلند فرمایا بار خدایا اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے۔ جب یہ خبر ابولہب کو ہوئی۔ تو اس کی بہت حفاظت کرنے لگا سفر شام میں اسکو رب سے بیچ میں سلاتا تھا مگر باوجود اس حفاظت کے حضور اقدس کی جو کچھ زبان سے نکلا تھا وہ پورا ہوا۔ تمام محافظوں کے بیچ میں سے اس کو ایک شیر پھاڑ کر چلا گیا۔ اور عتبہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں۔ حاصل مضمون اس سورت کا یہ ہے کہ ابولہب اگرچہ نسب اور مالی وجاہ اور ثروت اور ریاست کے سبب سے دنیا کی بڑی شرافت رکھتا تھا۔ اور حضور اقدس کا چچا تھا۔ مگر جب اس نے خدا اور خدا کے رسول کے ساتھ اپنا معاملہ درست نہیں کیا۔ تو دونوں جہان میں روسیاہ ہوا اور ہلاکت ابدی نصیب ہوئی۔ پس ہر شخص کو چاہئے اُن چیزوں پر بھروسہ اور غرور نہ کرے۔ اور اللہ کے مقربوں میں اور رسول اللہ صلعم کی سنت و طریق پر فدا ہونے والوں سے اپنی راہ و رسم درست کرلے اور اُن لوگوں کی حرمت کو اپنے دل میں جگہ دے اور غرور نسب وجاہ سے اور ان لوگوں کے انکار سے صدق دل سے توبہ کرے۔ آنحضرت نے اس سورت کو نازل ہونے کے بعد اپنی پیاری بیٹی اور اپنی حقیقی پھوپھی کو سے فرما دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ درست کرلو۔ اور فرمایا

"اے فاطمہ اپنا معاملہ اللہ سے درست کرلو۔ جو کچھ چاہو یہاں مجھ سے مانگ لو۔ اگر اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہوگا تو وہاں میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ہلاک ہوگئے ٹوٹ گئے دونو ہاتھ ابی لہب کے جن سے پتھر اٹھا کر ہمارے حبیب کی طرف پھینکتے تھے یا جن سے اشارہ کرکے ہمارے حبیب کی برائی کرتا تھا۔

علماء نے لکھا ہے۔ نفس میں دو قوتیں ہیں۔ ایک قوت علمی جس سے ادراک

کرنا جاننا یہ جنتا ہے۔ دوسری عملی جس کے سبب سے نیک و بد کام صادر ہوتے
ہیں، دونوں ہاتھوں سے اشارہ ان دونوں قوتوں کی طرف ہے کہ اس کا عمل اور
اعتقاد دونوں تباہ اور برباد ہو گئے اور یہ بیجا ہو سکتا ہے، کہ دونوں ہاتھوں سے نیک
اور بد عمل مراد ہوں۔ بدعملوں کی ہلاکت تو ظاہر ہے کہ بُرے عمل بُرے ہی بدل
لاتے ہیں۔ اور نیک عمل کی ہلاکت یہ ہوتی ہے کہ بداعتقادی کی وجہ سے وہ
بے فائدہ ہو گئے اور بعض نے ظاہر و باطن کے عملوں پر بھی قیاس کیا ہے۔ اور
یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔ وَتَبَّ اور وہ آپ بھی ہلاک ہو گیا۔ ٹوٹ گیا۔ یعنی
اس کو بداعتقادی اور بداعمالی کی خرابی اور ہلاکت نے اس کے جوہر نفس اور
ذات کو ایسا خراب کیا، کہ وہ خود ہی ہلاک اور برباد ایسا ہوا، کہ اس کی درستی
کی کوئی صورت باقی ہی نہ رہی۔

تبت کے معنی لغت میں ٹوٹنا ہلاک ہونا۔ ایسا تباہ و برباد ہونا جس کی
درستی غیر ممکن ہو اور یہ سب معنی ابی لہب کے حق میں ٹھیک ہیں۔ ورت و ٹھیک
ہیں مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۔ اس کا مال اور اس کی کمائی اس کے
کچھ کام نہ آئی۔ اس نے جو کچھ کمائی کی تھی یہی تھی کہ اپنی مجلس میں ان لوگوں
کے ساتھ سلوک کرتا تھا۔ جو اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے اور ہر وقت خوشامد
آمیز باتیں کرتے تھے اور چڑھا دے پڑھا دے دے دے کر اس کو فرعون بنا رکھا
تھا۔ نام و نمود کی باتوں پر مرتا تھا۔ جو کچھ وہ فخر و تعلی کی ڈینگیں ہانکتا تھا
وہ سب واہ واہ اور سبحان اللہ کہتے تھے۔ نخوت و غرور نے اس کی گردن کو
ایسا تان دیا تھا۔ کہ خدا اور اس کے رسول کے حکم پر بھی نہ جھکتی تھی، شان استغنا
نے ایسا سرکش کر دیا تھا۔ کہ کبھی رسول کی بات کی پرواہ بھی نہ کی بے ادب گستاخ
ایسا تھا۔ کہ ہر وقت اس کی مجلس میں احکام خدا و احکام رسول پر استہزا ہوتا

رہتا تھا۔ جب کوئی نیا حکم نازل ہوتا تھا۔ اس پر ٹھٹھے لگاتے اور قہقہے اڑاتے تھے اس وقت جو غریب پیشہ ور لوگ مسلمان ہوئے تھے اُنکی تحقیر و تذلیل کی جاتی تھی۔ اگر کوئی بڑا آدمی مسلمان ہوجاتا جیسے ابوبکر، عثمان، عمر رض تو ان کی تحقیق کی جاتی تھیں مسلمانوں کا نام صابی رکھا تھا۔ یہ کام تھے اس کے اور اس کی مجلس کے لوگوں کے۔ پھر یہ کام آخرت میں کیا کام آسکتے ہیں۔

اس مزاج اور صفت کے لوگ اب بھی دنیا میں موجود ہیں وہ نایبان ابولہب اب بھی تابعین رسول اور پیروان سنت و طریق حضور اقدس سے اور احکامات شریعت غراسے وہی معاملات کرتے ہیں جو ان کا سردار کرتا تھا۔ بعض علما کہتے ہیں مال سے مراد مال موروثی ہے۔ کسب سے مراد مال کسبہ ہے اور بعض نے کہا ہے مراد اس سے اولاد ہے بہر صورت جو کچھ ہو یہ چیزیں دنیا میں ہی کچھ نفع دے سکتی ہیں۔ مگر آخرت میں جو بڑی احتیاج کی جگہ اور سدا ب یا رہنے کا گھر ہے کچھ نفع نہ دینگے۔ اس کا حال تو یہ ہے۔ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ۔ اب ڈالا جاتا ہے۔ دہکتی آگ میں یعنی دم نکلنے کے ساتھ ہی اس کو گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیں گے اور کافروں کی طرح قیامت کا انتظار ہی نہ ہوگا۔ اور زیادتی عذاب کا یہ سبب ہے کہ یہ حضور سرور عالم کا چچا تھا۔ اور بچپن سے آپ کی پسندیدہ خصلتوں اور حسین عادتوں نیک اخلاق امانت داری، سچائی سے خوب واقف تھا۔ باوجود اس کے دشمنی اور عداوت کے مرتبے کی بھی اس نے انتہا کردی اس لئے اس کو عذاب بھی اور کافروں سے زیادہ ہونا ضرور ہے من جملہ اس کے ایک یہ عذاب ہوگا وَامْرَأَتُهُ جورو اسکی جو بڑی مجبور تھی چغل خور جو ہر وقت لگائی بجھائی کرتی رہتی تھی۔ اور اپنے خصم کو خوش کرنے کے لئے کانٹوں کا گٹھا لاکر حضور کے راستہ میں ڈالدیتی تھی۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ

اس کی گردن میں رسی ہے۔ کھجور کی چھال کی خوب بٹی ہوئی۔ جس کی خاصیت یہ ہے کہ جب پسینے میں بھیگتی ہے تو خوب اینٹھتی ہے اور گلا گھونٹتی ہے یہ وہ گردن ہے کہ جسمیں زیور و جواہر پہن کر فخر کرتی تھی۔ لکھا ہے کہ اسی صورت سے یہ مری تھی۔ کہ گٹھا سر پر سے گرا اور گلے میں رسی کی پھانسی لگ گئی۔ اور دوزخ میں بھی اسی صورت سے عذاب باقی ہے۔

ابن عباس نے کہا ہے کہ مراد کسب سے ولد ہے، حضرت عائشہ صدیقہ ومجاہد وعطا وحسن وابن سیرین رضہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ جب حضور ؐ نے اپنی قوم کو ایمان کی طرف بلایا۔ تو ابولہب نے کہا۔ کہ اگر بات سچ ہو، جو میرا برادر زادہ کہتا ہے، تو میں قیامت کے دن اپنا مال اور اولاد فدیہ میں دے کر اپنی جان چھڑا لونگا۔ اس پر اس صورت میں یہ خبر دی گئی۔ لہب سے مراد آتش ذو شرر، حریق شدید ہے۔ یعنی خوب بھڑکتی اور دہکتی ہوئی جس کی چنگاریاں اڑ رہی ہوں۔ اور اس کی جورو ام جمیل حرب کی بیٹی، سفیان کی بہن چونکہ اسکی دشمنی اور عداوت میں اپنے خصم کی معاون اور مددگار تھی۔ اس لئے جہنم میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ عذاب مقرر کیا کہ اس کی گردن میں رسی لپٹی ہوئی ہے اور دوزخ کا ایندھن لالا کر اپنے شوہر کے اوپر ڈالتی ہے، مجاہد و عروہ نے کہا کہ وہ رسی آگ کی ہے، مجاہد و عکرمہ وحسن و قتادہ وثوری و سدی رضہ کہتے ہیں کہ حمل حطب سے مراد چغل خوری ہے۔ وہ عورت بڑی چغلخور تھی۔ اس کو ابن جریر نے بھی اختیار کیا ہے، شعبی کہتے ہیں کہ مسد سے مراد لیف ہے۔ یعنی چھال اور بھی اقوال اسمیں بہت سے مفسرین نے نقل کئے ہیں جنکا بیان کرنا طول ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے۔ کہ مال کا کمانا مرد کا کام اور اس کے ذمہ ہے اور انتظام خانگی۔ اور جمع کرنا کھانا پکانے کے اسباب کا عورتوں کے ذمہ ہے۔ واللہ اعلم

سُوْرَۃُ الْاِخْلَاصِ لَبْ بِمَکَّۃَ وَھِیَ خَمْسُ آیَاتٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۙ	تم کہہ دو اے حبیب وہ اللہ یگانہ ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا نہ اس کو کسی نے جنا۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی نہیں ہے

تفسیر عبداللہ بن مسعود اور جابر اور حسن اور عطاء اور عکرمہ رہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی ہے اس میں چار آیتیں، پندرہ کلمے۔ اور سینتالیس حروف ہیں اور خطیب رح نے اس کے بہت سے نام نقل کئے ہیں جو اس سورت کے شرف اور فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔ ابی بن کعب کہتے ہیں۔ کہ مشرکوں کے سرداروں نے حضور اقدس ؐ سے سوال کیا۔ کہ تم جو ہمارے بتوں میں عیب بتاتے ہو، تو بتاؤ تمہارے خدا کی کیا صفتیں ہیں۔ اور اس کا نسب کیا ہے اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس کو طبرانی و بیہقی ابونعیم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ ابن مسعود کہتے ہیں۔ کہ قریش نے بھی سوال حضور سے کیا تھا اس پر یہ سورت اتری اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہود حضور کے پاس حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ کعب بن اشرف اور حی ابن اخطب بھی تھا۔ انہوں نے کہا " اے محمد جس پروردگار نے تم کو مبعوث کیا ہے اس کی صفت ہم سے بیان کرو۔ اللہ تعالٰے نے یہ سورت نازل فرمائی۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں یوں آیا ہے کہ کافروں کے سوال میں

یہ ہی تہا۔ کہ تمہارا خدا کیا چیز ہے؟۔ یعنی از قسم جواہر یا لکڑی یا مٹی یا کوئی اور چیز ہے۔ اس کو خدائی کس سے میراث میں ملی اور اس کی میراث کون لے گا اور اس کی خدائی کے کارخانہ میں اس کا مددگار اور مشیر کون ہے۔ کفار بلکہ تو جہالت سے ایسے سوال کرتے تھے، یہود شرارت سے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں سب کا جواب دیدیا ہے۔ کہ جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ہے اس کی وراثت لی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نہ پیدا ہوا نہ مرے گا۔ نہ وہ کسی کا وارث بنا نہ کوئی اس کا وارث ہے، نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مشیر نہ مددگار نہ اس کا کوئی شبیہ نہ عدیل لیس کمثلہ شیئ۔ اس کا کوئی مثل نہیں۔

فضائل سورہ اخلاص

ابی بن کعب رضی روایت کرتے ہیں جس نے یہ سورت پڑھی۔ گویا تہائی قرآن پڑھا۔ اس کو احمد اور نسائی نے بیان کیا ہے۔ انس کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا حضور مجھ کو اس سورت سے بہت محبت ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اس کی محبت تجھ کو جنت میں داخل کر دے گی اس حدیث کو احمد اور ترمذی اور بیہقی نے روایت کیا ہے ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اس کو احمد اور بخاری نے نقل کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ حضور نے ایک شخص کو ایک چھوٹے سے لشکر کے ساتھ بھیجا۔ وہ ان کو نماز پڑھاتا تہا۔ اور ہر رکعت کو اسی سورۃ پر ختم کرتا تھا یعنی کوئی اور سورت پڑھتا۔ تو یہی آخر میں یہ سورت پڑھ لیتا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو حضور سے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا اس سے پوچھو وہ کیوں ایسا کرتا ہے اس سے دریافت کیا۔ تو اس نے کہا یہ سورت میرے اللہ کی صفت ہے میں اس کے پڑھنے کو دوست

رکھتا ہوں حضور نے فرمایا اس کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو دوست رکھتا ہے
یہ الفاظ امام بخاری نے کتاب التوحید میں نقل کئے ہیں۔ دوسری روایت ہیں امام
بخاری نے اس کی ان الفاظ سے نقل کی ہے۔ کہ ایک مرد انصاری مسجد قبا میں
امامت کرتا تھا۔ جب کوئی سورت نماز میں پڑھتا تو اس کو اسی سورت سے شروع
کرتا یعنی پہلے قل ہو اللہ پڑھتا پھر کوئی اور سورت ہر رکعت میں اس طرح کیا کرتا
تھا۔ اس کے مقتدیوں نے کہا کہ یا تم اس سورت کو پڑھا کرو یا دوسری سورت پڑھو
تو وہ بھی کافی ہے ہر رکعت میں ہر سورت کے ساتھ اس کو بھی پڑھنا کیا ضرور
ہے اس کو اس طرح نہ پڑھا کرو۔ انہوں نے کہا میں اس کا پڑھنا ترک نہ کروں گا
تمہاری خوشی ہو تو میں امامت کروں اور تمہاری خوشی ہو تو میں امامت چھوڑ
دوں۔ وہ لوگ ان کو اتباع شریعت اور تقوے میں اچھا اور افضل جانتے تھے
کسی دوسرے کا امام بنانا پسند نہ کیا جب حضرت کا اس طرف جانا ہوا۔ تو حضور سے
یہ حال عرض کیا گیا۔ حضور نے آن سے فرمایا کہ اے شخص تجھ کو کون مانع ہے کہ تو
اپنے اصحاب کے کہنے پر عمل نہ کرے اور فرمایا تو نے لزوم اس سورت کا ہر رکعت میں
کیوں اختیار کیا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ میں اس کو محبوب رکھتا ہوں۔ فرمایا۔
حضور نے اس کی محبت تجھ کو جنت میں داخل کرے گی۔ اس حدیث کو سوائے امام بخاری
کے اور ائمہ حدیث نے بھی روایت کیا ہے۔ کہ ایک شخص نے ایک شخص کو سنا۔ کہ وہ بار
بار قل ہو اللہ پڑھتا ہے اس نے اس کا ذکر حضرت صلعم سے کیا حضور نے فرمایا قسم ہے
اس کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے یہ سورت برابر تہائی قرآن کے ہے۔ دوسری
روایت انہیں ابوسعید خدری سے یہ ہے کہ حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کہ تم
میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھے صحابہ پر
یہ بات شاق گذری اور عرض کیا۔ کہ ہم میں یہ طاقت کہاں ہے۔ فرمایا حضور نے

قل ہو اللہ احد تہائی قرآن ہے اس کو تنہا امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ تیسری روایت
انکی یوں ہے کہ ایک رات کو قتادہ ابن نعمان اس سورت کو تمام رات پڑھتے رہے یہ
ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ فرمایا واللہ یہ سورت برابر تہائی قرآن کے ہے
اس کو امام احمد رح نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا۔ کہ تکرار ایک سورت یا ایک آیت کی تمام شب
درست ہے۔ مگر شبینہ کرنا یعنی رات بھر میں پورا قرآن پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ ابن لہیعہ کہتے
ہیں۔ کہ ابو ایوب انصاری ایک مجلس میں یہ بات کہہ رہے تھے کہ کیا تم میں سے ہر
ایک شخص ہر رات میں تہائی قرآن نہیں پڑھ سکتا۔ لوگوں نے کہا یہ طاقت کس کو ہے
انہوں نے کہا قل ہو اللہ تہائی قرآن ہے۔ اتنے میں حضور تشریف لے آئے اور ابو
ایوب کا یہ کہنا حضور نے سن لیا۔ فرمایا ابو ایوب نے سچ کہا۔ اس کو امام احمد نے
روایت کیا ہے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے
فرمایا جمع ہو جاؤ میں تم پر تہائی قرآن کی تلاوت کرونگا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ حضرت نے
سورہ قل ہو اللہ تلاوت فرمائی۔ پھر گھر تشریف لے گئے۔ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ
حضور نے تو فرمایا تھا۔ کہ میں تہائی قرآن پڑھونگا، ہم سمجھتے تھے کوئی حکم آیا ہوگا حضور
پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا آگاہ رہو یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اسی طرح اسی
حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اور
ابو درداء کہتے ہیں۔ کہ ایک دن حضور نے فرمایا۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے
عاجز ہے۔ کہ ہر دن میں تہائی قرآن پڑھ لیا کرے، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
ہم اس سے اضعف اور عاجز ہیں رسول اللہ نے فرمایا۔ اللہ نے قرآن کے تین حصے
کئے ہیں۔ قل ہو اللہ قرآن کا تیسرا حصہ ہے اس کو احمد و مسلم و نسائی نے نقل کیا ہے
اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اس سورت کو ہر شخص ہر رات اور ہر دن کو

پڑھ لیا کرے۔ احمید بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ چند صحابہ آپس میں یہ حدیث روایت کر رہے تھے۔ کہ حضور نے فرمایا۔ کہ قل ھو اللہ احد کا پڑھنا تہائی قرآن کے برابر ہے اس کو نسائی نے بیان کیا ہے۔

ابوہریرہ رضی کہتے ہیں کہ میں حضرت صلعم کے ساتھ آیا۔ حضور نے سنا کہ ایک شخص قل ھو اللہ احد پڑھتا ہے فرمایا واجب ہو گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا واجب ہو گئی۔ فرمایا جنت اس کو مالک بن انس اور ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے، ترمذی نے حسن صحیح غریب کہا ہے۔

عبد اللہ بن خبیب کہتے ہیں، کہ ہم حضرت کے منتظر تھے کہ آکر نماز پڑھائیں حضور تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا پڑھ میں چپکا رہا، پھر فرمایا پڑھ۔ میں نے عرض کیا کیا پڑھوں۔ فرمایا قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس صبح و شام ہر دن میں دو مرتبہ ان کا تین تین بار پڑھنا تجھ کو کفایت کرے گا۔ اس حدیث کو ترمذی نے بیان کیا ہے

تمیم داری سے روایت ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا حضور نے جس نے کہا لا الٰہ الا اللّٰہ واحدا احدا صمدا لم یتخذ صاحبۃ ولا ولدا ولم یکن لہ کفوا احد یعنی سوائے خدائے برتر کے کوئی پرستش کے قابل نہیں وہ بے نیاز یکہ و تنہا ہے نہ اس کے کوئی جورو۔ اور بیٹا۔ اور نہ اس کے ساتھ کا کوئی برابر کرنے والا ہے۔" گیارہ مرتبہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ چالیس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ معاذ بن انس جہنی کہتے ہیں۔ کہ حضور سرور عالم نے فرمایا۔ کہ جس نے قل ھو اللہ احد کو دس بار پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہشت میں ایک محل بناتا ہے۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اب ہم اس کو بہت پڑھا کرینگے۔ حضور نے فرمایا جتنا زیادہ

ہو اتنا اچھا ہے ان الفاظ کو تنہا امام احمد نے روایت کیا ہے۔ مسند دارمی میں اتنا
اور زیادہ ہے کہ جو کوئی بیس مرتبہ پڑھے گا۔ اس کے لئے دو محل اور جو کوئی تیس مرتبہ
پڑھے گا۔ اس کے لئے تین محل تیار ہونگے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب ہمارے بہت سے
محلات تیار ہو جائیں گے۔ حضرتؐ نے فرمایا اللہ کی ذات اس سے بہت زیادہ وسیع
ہے یہ حدیث مرسل اور جید ہے

انس بن مالکؓ کا لفظ رفعاً یہ ہے کہ جو کوئی قل ہو اللہ احد پچاس مرتبہ پڑھتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پچاس برس کے گناہ بخش دیتا ہے اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا
ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

بریدہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں حضور کے ساتھ مسجد میں آیا۔ ایک شخص نماز میں یہ
دعا کرتا تھا۔ اللھم اسئلک بانی سمعین ان لا الہ الا انت لاحد الصمد
الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ یا اللہ میں تجھ سے
مانگتا ہوں ساتھ اس کے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے
تو اکیلا ہے بے نیاز ہے تو ایسا ہے کہ نہ کسی کو جنا اور نہ کسی نے تجھ کو جنا۔ اور
تیرے برابر کا کوئی نہیں ہے ان کلمات کو سن کر حضور نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے
ہاتھ میں میری جان ہے ضرور اس نے ایسے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے یہ ایسا
اسم ہے کہ جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے عطا کیا جائے گا۔ اور جب اس کے ساتھ
دعا کی جائے قبول کی جائے گی اس حدیث کو اہل سنن نے روایت کیا ہے۔ اور
ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔

ابو یعلیٰ نے جابرؓ سے رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ جو کوئی دس مرتبہ اس
سورت کو بعد نماز مغرب کے پڑھے۔ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے
اور جس حور عین کو چاہے بیاہ لے۔ طبرانی میں جریر بن عبداللہ نے روایت ہے حضورؐ

فرمایا۔ جو کوئی گھر میں داخل ہونے کے وقت اس سورۃ کو پڑھا کرے گا۔ اور اس کے گھر والوں سے اور اس کے ہمسایہ سے فقر کو اللہ تعالیٰ دور کر دے گا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

انس بن رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہم تبوک میں حضورؐ کے ساتھ ایک دن سورج ایسا چمکتا ہوا نکلا۔ کہ ایسی چمک اور روشنی اس سے پہلے ہم نے نہیں دیکھی تھی۔ جب حضرت جبریلؑ حضور کے پاس آئے حضور نے ان سے دریافت کیا۔ کہ آج آفتاب کی شعاعوں میں اس قدر زیادہ چمک اور روشنی کیوں ہے۔ ایسی چمک اور روشنی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ حضرت جبریل نے کہا۔ یارسول اللہ معاویہ بن معاویہ لیثی کا آج مدینہ میں انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے بھیجے ہیں۔ کہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں۔ یعنی یہ روشنی نزول ملائکہ کی ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اے اخی جبریل یہ مرتبہ ان کو کیونکر حاصل ہوا۔ کہا یہ رات دن چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔ الحدیث رواہ ابو یعلیٰ۔ جب ان کے انتقال کی تاریخ دریافت ہوئی۔ تو حساب درست تھا۔ یہ حدیث کئی طریق سے آئی ہے۔ اس کی اسانید ضعیف ہیں اور اس کا ایک راوی یزید بن ہارون ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ حضور جب بستر پر تشریف لاتے تو قل ھو اللہ معوذتین کے پڑھ کر دونوں ہتھیلیوں پر پھونکتے اور جہاں تک ہو سکتا بدن پر مل لیتے۔ تین مرتبہ ایسا ہی کرتے اور اول سر پر پھر سامنے بدن سے ہاتھ پھیرنا شروع کرتے۔ ہمیشہ یونہی کیا کرتے تھے۔ اس کو اہل سنن نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس سورت کے کثرت سے پڑھنے اور اس سے استغفار کرنے کے باب میں بہت حدیثیں نقل کی ہیں۔ مگر ان سب کے بیان کرنے سے طول کا خوف ہے اس لیے اب ایک ضروری بات بیان کر کے اس کو ختم کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی حقیقت اور کنہ کے دریافت میں آدمی کی معرفت کی انتہا یہ ہے۔ کہ اس کی ذات پاک کے غیر اصول کو جو اس کی ذات لازم ہیں دریافت کرلے اور بس۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس بسیط مطلق ہے اور اس میں اجزا نہیں اور نہ وہ محدود اور نہ کسی علت کی معلول ہے یعنی اس میں ٹکڑے اور انتہا نہیں نہ اس کے وجود کا کوئی سبب ہے جس طرح دنیا میں ہر چیز کی دریافت کے یا اس کی حقیقت کے سمجھانے کے لئے چار باتوں کا بیان کرنا ضرور ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قل تم کہہ دو اے ہمارے حبیب **ھو اللہ** وہ اللہ جس کو تم پوجتے ہو۔ اس کی ذات پاک جمیع صفات کاملہ کا مجمع ہے۔ دنیا میں جو کچھ دیکھا پایا جاتا ہے۔ سب اسی کی حیات اور علم و ارادے اور قدرت سے ہے اور عالم میں جس قدر جواہر اور اعراض پائے جاتے ہیں سب کی موجودگی اسی ذات پاک کے وجود پر منحصر ہے **احد** یگانہ ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں نہ عددی نہ جزئی نہ عقلی نہ خارجی۔ جیسا کہ انسان کو بھی ایک کہتے ہیں۔ مگر اس میں اجزا ہوتے ہیں احد وہ ہے جس میں کسی طرح کی کوئی تقسیم ہو سکے نہ بٹ سکے اور یہ شان احدیت خاص اسی کی ہے اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔

اللہ الصمد اللہ بے نیاز ہے۔ حضرت جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ صمد اس کو کہتے ہیں۔ جو کسی کام میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ سب اسی کے محتاج ہوں اللہ کا لفظ مکرر لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باوجود اس کے بسیط و مطلق ہونے کے اور احدیت مجردہ کے ہم اس کو تمام صفات کمالیہ سے متصف جانتے ہیں صمد کے لفظ کے بہت معنی حضرات صحابہ سے منقول ہیں۔ مگر مطلب سب کا ایک ہے۔ ابو القاسم طبرانی رح نے کتاب السنہ میں ان سب اقوال کو نقل کرکے فرمایا ہے کہ سب معانی صحیح ہیں اور سب ہمارے رب کی صفتیں ہیں۔ سب اسی کے محتاج ہیں

وہ اپنی سرداری میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے نہ کہا کب ہے نہ پیا ہے تمام نقصانوں اور عیبوں سے پاک ہے سب سے پہلے تھا اور سب کے بعد باقی رہیگا۔ اسی طرح بیہقی نے بھی کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وجود کا سلسلہ بغیر ایک ایسی ذات کے جو صفت صمد سے متصف ہو قایم نہیں رہ سکتا اس واسطے کہ عالم میں بالکل احتیاج ہی احتیاج نظر آتی ہے اور جب ہر چیز دوسرے کی محتاج ہوئی تو ایک ایسی ذات کا ہونا بھی ضرور ہے جس کی طرف سب کی احتیاجوں کو منتہی ہو۔ اور وہ کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو سلسلہ احتیاج منقطع نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ جو مجمع تمام صفات کمالیہ کا ہے اس کی بے انتہا صفتوں اور خاصوں میں سے یہاں دو چیزوں کا بیان کیا گیا ہے اس کا احد اور صمد ہونا کیونکہ اور باقی تمام صفتیں انہی دو صفتوں سے نکلتی ہیں۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ نہ اس نے کسی کو جنا نہ اس کو کسی نے جنا۔ اس لیے کہ اگر اس نے کسی کو جنا ہوتا تو وہ چیز حقیقت میں اس کے شریک ہو جاتی۔ اور جب شریک ہوئی تو اسے بے نیازی اور بے پروائی اور بے نیازی حاصل نہ ہوتی تو وہ صمد نہ رہا۔ اور نہ اس کو کسی نے جنا اس واسطے کہ اگر کسی نے جنا گیا ہوتا۔ تو اس کا محتاج ہوتا اور جب محتاج ہوا تو صمد نہ رہا۔

ربیع بن انس کہتے ہیں لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ تفسیر ہے اللہ الصمد کی۔ ابی کعب بھی یہی کہتے ہیں۔ پھر جب وہ احد اور صمد ہے تو یہ بات لازمی ہے کہ اس کی صفت ہو۔ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ یعنی اس کی برابر کوئی نہیں ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنّٰى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔ آسمان اور زمین کا ایجاد کرنے والا اس کے اولاد کیوں ہوتی جبکہ اس کے کوئی بیوی ہی نہیں ہوئی۔ اور اس نے ہر چیز کو بنایا ہے اور وہ ہر چیز کے حال سے واقف ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ

کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ یہ اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہے وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ فقط اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

یعنی جب وہ ہر شے کا خالق اور مالک ہے تو اس کا شریک و نظیر یا برابری کا کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عَنْ ذالِکَ وَتَقَدَّسَ وتنزہ۔

ایضاً وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا۔ لقد جئتم شیئا ادّا تکاد السمٰوات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدّا۔ ان دعوا للرحمٰن ولدا وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا ان کل من فی السمٰوات و الارض الا اٰتی الرحمٰن عبدا۔ لقد احصٰھم وعدھم عدا وکلھم اٰتیہ یوم القیٰمۃ فردا۔ یعنی بعض لوگ کہتے ہیں رحمان بیٹا رکھتا ہے۔ وائے ہمارے حبیب یہ ایسی سخت بھاری بات انہوں نے گھڑی کہ دور نہیں اگر اس کی وجہ سے ابھی آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس لئے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے بیٹا مقرر کیا۔ حالانکہ یہ اس کے شایان شان ہی نہیں کہ اس کے اولاد ہو (یاد رکھو) آسمان و زمین جتنی مخلوقات ہے ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو رحمٰن کا غلام بن کر حاضر نہ ہو۔ اس نے سب کو اپنی قدرت کے حلقے میں گھیر رکھا ہے۔ اور سب کو گن رکھا ہے۔ اور قیامت کے دن سب اکیلے اکیلے اس کے حضور میں حاضر ہونگے۔

اور فرمایا وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا سبحٰنہ بل عباد مکرمون ۵ لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون۔ بعض کافر کہتے ہیں رحمان نے کوئی بیٹا بنایا ہے۔ وہ اس (بہتان) سے پاک ہے۔ بلکہ اس کے عزت والے بندے ہیں اس کے آگے بڑھ کر کوئی بات تک نہیں کر سکتے۔ اور وہ سب اس کے حکم پر عمل کرتے

کرتے ہیں۔ وجعلوا بینہ و بین الجنۃ نسبا ولقد علمت الجنۃ انھم لمحضرون سبحان اللہ عما یصفون ان کا فرول نے اللہ میں اور جنات میں ناتا ٹھیرایا ہے۔ حالانکہ جنوں کو خوب معلوم ہے کہ وہ (دوسری مخلوق) کی طرح خدا کے حضور میں پکڑے چلے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی واہی باتوں سے پاک ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر اور بردبار برداشت کرنے والا اور تحمل کرنے والا کوئی نہیں ہے بندہ اللہ پر بہتان لگانے کا اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیئے اولاد ٹھیراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو عافیت بھی رزق دیتا ہے۔

فرمایا۔ ابوہریرہؓ نے کہ فرماتا ہے اللہ عزوجل کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے اور اس کو یہ نہ چاہیئے تھا۔ اور ابن آدم مجھ کو گالی دیتا ہے اور اس کو یہ نہ چاہیئے تھا۔ جھٹلانا اس کا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا حالانکہ اول پیدا کرنا اس کا دوبارہ زندہ کرنے سے کچھ آسان نہیں ہے اور گالی دینا یہ ہے کہ میرے لئے اولاد مقرر کرتا ہے حالانکہ میں احد صمد لم الد و لم اولد ہوں میرا جوڑا اور برابر کا کوئی نہیں ہے۔ اس حدیث کو بھی امام بخاری نے نقل کیا ہے کلام عرب میں کاف بمعنی نظیر کے بولا جاتا ہے۔ لیس کمثلہ شیء ابن عباس نے اس کے بھی معنی کئے ہیں کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔ بعض علمائے بیان کیا کہ شرکت کی اصل چار قسمیں ہیں۔ اول شرکت ذات اس کی نفی لفظ احد سے ہوگئی دوسری شرکت منصب اور مرتبہ اسکی نفی صمد سے ہوگئی تیسری شرکت نسبہ اس کی نفی لفظ لم یلد و لم یولد سے ہوگئی چوتھی شرکت تاثیر اور کام میں اس کی نفی لفظ لم یکن لہ کفوا احد سے فرمادی۔ اور بعض علما نے یہ بھی لکھا ہے کہ باطل مذاہب والے اصول میں سب پانچ گروہ ہیں۔ اول وہ گروہ جو ہستی باری تعالیٰ کا بالکل منکر

ہے۔ تو جب مسلمان آدمی کے منہ سے لفظ ہو نکلا تو اس باطل اعتقاد سے جدائی ہو گئی
دوسرا گروہ کہتا ہے کہ عالم کا پیدا کرنے والا تو کوئی ہے مگر عالم میں جو تغیرات پائی
جاتی ہیں۔ وہ کسی نہ کسی سبب سے ہوتی ہیں۔ اس ذات واحد سے ان کا تعلق نہیں
ہے جو عالم کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا ہے اور یہ عقیدہ اکثر فلاسفہ اہل ہنود
کا ہے۔ تو جب مسلمان نے لفظ اللہ منہ سے کہا جو ساری صفتوں کی جامعیت رکھتا
ہے۔ اور مبدا ہے جمیع فیوض کا۔ اور ہر ایک صفات کمالیہ ثبوتیہ کا سرچشمہ ہے
تو اس فرقہ ضالہ کے عقیدے سے جدائی ہو گئی۔ تیسرا گروہ ثنویہ کا ہے جن کا یہ اعتقاد
ہے۔ کہ تمام عالم کا پیدا کرنے والا ایک نہیں ہو سکتا۔ کئی پیدا کرنے والے ہونے چاہئیں
تو جب مسلمان نے لفظ احد منہ سے کہا۔ تو اس باطل عقیدے سے الگ ہو گیا۔ چوتھا گروہ
گمراہان اہل کتاب کا ہے جو خدا کی ذات پاک کے لئے اولاد بتاتے ہیں۔ بعض مشرکین
عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ تو
جب مسلمان آدمی نے لم یلد ولم یولد کہا۔ تو اس اعتقاد سے اس کا دل پاک ہو گیا
پانچواں گروہ یہ کہتا ہے۔ کہ خالق دو ہیں ایک خالق ظلمانی جو تاریکیوں اور بدیوں
کا پیدا کرنے والا ہے۔ دوسرا خالق نورانی جو روشنیوں اور نیکیوں کا پیدا کرنے
والا ہے مجوس بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں خدا دو ہیں ایک یزدان
دوسرا اہرمن۔ سب اچھی چیزیں یزدان نے پیدا کی ہیں اور بری چیزیں اہرمن نے
اور ان دونوں میں ہمیشہ لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ جب یزدان کا لشکر غالب
آجاتا ہے تو دنیا میں نیکیاں زیادہ پھیل جاتی ہیں اور جب اہرمن کا لشکر غالب
ہوتا ہے۔ تو عالم میں برائیاں پھیل جاتی ہیں۔ مسلمان جب ولم یکن لہ کفوا
احد کہتا ہے تو اس اعتقاد سے الگ ہو جاتا ہے۔ غرضکہ یہ سورت شریف مومن
کے دل کو تمام بد اعتقادوں سے پاک کر کے غیر اللہ کے رنگ و رلیشہ کو دل میں

باقی نہیں رکھتے اور یہ مقصد اہم ہے اس مقاصد عظمیٰ سے جو قرآن مجید میں ہیں۔ اس لئے اس کو ثلث قرآن فرمایا ہے۔

سُورَةُ الفَلَقِ نُزِلَتْ بِمَدِينَةٍ خَمْسُ آيَاتٍ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۙ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ؕ

کہہ دو اے ہمارے حبیب، میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، تمام مخلوقات کے شر سے اور پناہ مانگتا ہوں اندھیرے سے جب وہ ہر چیز پر چھا جائے۔ اور اور ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہوں

اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

تفسیر: یہ سورت مدینہ میں اتری اور اس کی پانچ آیتیں ہیں تئیس کلمے اور تہتر حروف ہیں حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضرت پر جادو کیا گیا حضور اقدس کی یہ کیفیت ہوئی۔ کہ آپ کچھ کام کر لیتے اور خیال فرماتے کہ میں نے نہیں کیا اور نہ کرتے اور حضور کو خیال ہوتا کر چکا ہوں۔ اسی طرح اور بھی چند باتیں خلاف عادت آپ اپنے میں پاتے تھے اور طبیعت حضور کی سست رہتی ہے ایک روز حضور نے فرمایا اے عائشہ تو نے جانا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو میرے استفسار کا فتویٰ دیا وہ شخص میرے پاس آئے ایک سرہانے بیٹھا، دوسرا پاؤں کے پاس ایک نے دوسرے

سے کہا، آپ کا کیا حال ہے، دوسرے نے کہا۔ ... ...
آپ مسحور ہیں گیا۔ کہا کس نے جادو کیا ہے۔ کہا لبید بن عاصم نے۔ کہا کس چیز میں جادو
کیا ہے۔ کہا سر کے بال اور کنگھی میں، اور کھجور کے چھلکے کے گابھے میں۔ کہا کہاں ہے؟
کہا چاہ ذروان میں ایک پتھر کے نیچے دبا ہوا ہے۔ حضور وہاں تشریف لے گئے۔ اور
اس کو نکالا۔ اور فرمایا یہ وہی کنواں ہے جو مجھ کو دکھایا گیا تھا۔ اس کا پانی ایسا
رنگین ہو گیا تھا جیسا مہندی کا نچوڑ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب وہ نکالا گیا
تو حضور نے کچھ بھی اس ساحر کے حق میں نہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ آپ اس کو ظاہر
نہیں فرماتے۔ حضور نے فرمایا اس اللہ تعالیٰ مجھے شفا بخشی ہے اب میں اس بات کو
پسند نہیں کرتا۔ کہ کسی کو برائی پہنچے اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ دوسری
روایت میں اس قدر تفصیل ہے کہ ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔
کہ ایک لڑکا یہود کا حضرت کی خدمت میں رہتا تھا۔ یہود نے اس کو بلوا کر آپ کے بال اور
کنگھی چروائی تھی۔ لبید بن اعصم نے سحر کیا تھا۔ اور حضرت علی اور عمار بن یاسر و
زبیر رضی نے اس کو نکالا تھا۔ جب پتھر اٹھایا تو پانی کا رنگ مہندی کے نچوڑ کا تھا
وہ نکالا پتھر کے نیچے سے نکالا تو اسمیں ایک تانت تھی جس میں گیارہ گرہیں لگی
ہوئی تھیں۔ اپر اللہ تعالیٰ نے ان دو نو سورتوں کو بھیجا، ہر ایک آیت پر ایک گرہ کھلتی
گئی۔ اور حضور کو تخفیف معلوم ہوتی گئی۔ جب آخر گرہ کھلی۔ تو حضور کو ایسا معلوم
ہوا کہ کسی بند جگہ سے باہر آگئے۔ یا جیسے بندھے ہوئے تھے کھل گئے۔ اور حضرت جبریل
علیہ السلام نے آکر یہ دعا پڑھ کے دم کی بسم اللہ ارقیک من کل شی یؤذیک
من حاسد وعین اللہ یشفیک میں اللہ کی مدد کے نام سے آپ پر دم کرتا
ہوں، ہر چیز سے جو آپ کو ایذا دے حسد سے اور نظر سے اللہ آپ کو شفا دے۔ صحابہ
نے عرض کیا ہم اس خبیث کو گرفتار کریں اور کیوں نہ مار ڈالیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ

نے مجھ کو شفا بخشی اب میں کسی کے ساتھ برائی کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے اس کنوئیں کو بند کرا دیا تھا اور مٹی سے بھروا دیا تھا۔ زید بن ارقم کی روایت یوں ہے کہ ایک مرد یہودی نے حضور پر جادو کیا تھا۔ حضور علیل ہو گئے تھے۔ حضرت جبرئیل نے یہ دونوں سورتیں معوذتین لا کر کہا ایک مرد یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے وہ جادو فلاں کنوئیں میں ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کو کنوئیں میں سے نکالا ہر گرہ پر ایک ایک آیت پڑ کر کھلتی گئی اور حضور تندرست ہو گئے اس کو عبد بن حمید، ابن مردویہ نے نقل کیا ہے۔

ممکن ہے کہ کنوئیں میں حضرت علی اترے ہوں اور دوسرے اصحاب کنوئیں میں اتارنے اور کھینچنے میں شریک رہے ہوں۔

حضور پر سحر ہونے کا ذکر بہت سے طرق سے کتب احادیث میں ہے مگر بخیال اختصار اس قدر ہی کافی ہے۔ حضور کی سحر مدت چالیس روز یا چھ ماہ یا ایک سال بیان ہوئی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس کو صحیح کہا۔

علماء نے لکھا ہے۔ اثر کا سحر حضور پر من حیث البشریت تھا جیسا کہا نا پینا قضائے حاجات کو جانا بیمار ہونا آپ کا من حیث البشر تھا۔ اسی طرح سحر کا اثر بھی آپ کے جسم انسانی پر من حیث البشر تھا اور یہ کسی طرح قادح نبوت نہیں ہے۔ کیا امر نبوت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ نبوت کے کسی امر میں کوئی تاثیر اس کی نہیں پائی گئی۔

اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ جادو کی حقیقت قولاً و فعلاً ضرور ہے اس سے الم و مرض و قتل و تفرقہ بین زوجین کا اثر ہوتا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس نے کوئی گرہ لگائی۔ پھر اس میں پھونکا۔ اس نے جادو کیا۔ اور جس نے جادو کیا وہ مشرک ہے۔ اور جو کسی شے کے ساتھ متعلق ہو وہ اسی کو سپرد کیا گیا ہے اس حدیث کو نسائی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔

منتر اور تعویذ اور دم کرنے کے جواز میں علماء و صحابہ کا اختلاف ہے جمہور صحابہ اور تابعین نے جائز کہا ہے۔ مگر جب کہ وہ منتر ہو یا تعویذ یا دم کرنا شریعت کے خلاف نہو بدلیل احادیث حضرت عائشہ صدیقہ عنہا۔ کہ وہ فرماتی ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں جب کوئی بیمار ہوتا، تو آپ اسپر معوذات پڑھ کر دم کرتے۔

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوا اور حضور میری عیادت کو تشریف لائے فرمایا میں تجھپر وہ کردوں جو مجھپر جبریل نے کیا تھا۔ میں نے عرض کیا بابی انت وامی ہاں اے رسول اللہ مجھے فرمایا بسم اللہ ارقیک واللہ یشفیک من کل داء فیک ومن شر النفثت فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد

ترجمہ اللہ کے نام کی مدد سے تجھپر رقیہ یعنی منتر کرتا ہوں۔ اللہ تجھ کو ہر بیماری سے جو تجھ میں ہے اور پھونکنے والیوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حاسد کے شر سے جب حسد کرے شفا دے۔

ایک جماعت نے نقل تھو تھو کرنا (جو نفث اہو سکتا) کرنے کو رقی میں انکار کیا ہے اور بغیر رقیت کے پھونکنے کو جائز کہا ہے اور عکرمہ نے کہا کہ منتر کرنے والے کو جائز نہیں ہے کہ دم کرے یا مسح کرے، یا گرہ لگادے۔ نسفی رح فرماتے ہیں رقیہ کرنا آیت یا حدیث سے جائز ہے۔ مگر دوسری زبانوں سے جیسے سریانی، ہندی وغیرہ سے جائز نہیں نہ ان پر اعتقاد و اعتماد کرنا حلال و درست ہے۔

فضائل معوذتین

عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ آج رات مجھپر کچھ آیتیں اتریں کہ ویسی آیتیں میں نے نہیں دیکھیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اس حدیث کو مسلم ترمذی نسائی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ حضور چشم زخم جن سے تعوذ کرتے تھے جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو پھر اس کے ماسوا کو ترک کردیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا یہ دونو سورتیں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب ہیں۔ اس کو ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب حضور بیمار ہوتے تو انہی دو نو سورتوں کو اپنے اوپر پڑھ کر دم کرتے جب زیادہ بیمار ہوتے تو میں نے پڑھ کر حضرت کے دست مبارک سے مسح کیا تاکہ برکت ہو۔ اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں لکھا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں مجھے حضور نے فرمایا کہ میں تجھ کو تین سورتیں ایسی نہ سکھا دوں جن کی مثل نہ توریت میں ہے نہ توریت میں ہے نہ زبور میں۔ نہ انجیل میں ہے نہ فرقان میں۔ وہ قل ہو اللہ احد اور معوذتین ہیں۔ اور جابر سے فرمایا اقرا بھما فلن تقرا بمثلھما اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم قُلْ ہم سے پناہ چاہنے والوں کو اے پیارے حبیب کہدو کہ اپنی حفاظت کے لیے ہم سے یوں پناہ مانگا کریں اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ تمام مخلوقات کے شر سے

ف فلق صبح کے معنوں میں بولا جاتا ہے اور حقیقت میں فلق اس چیز کو کہتے ہیں جو پھٹے اور پھٹ کر اس میں سے دوسری چیز نکلے جیسے گٹھلی یا بیج میں سے درخت پھٹ کر نکلتا ہے یا جیسے پتھر اور زمین سے پھٹ کر پانی وغیرہ نکلتا ہے۔ ان سب چیزوں کو جن میں سے پھٹ کر دوسری چیز نکلتی ہے فلق کا لفظ شامل ہے اور اس میں باپ کی پیٹھ اور ماں کا پیٹ بھی آگیا

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ سے تمام مخلوقات کے شر مراد ہے۔ اور مخلوقات کی تین قسم ہیں ایک وہ ہے جس میں خیر غالب ہے اور شر مغلوب بلکہ معدوم جیسے مقرب فرشتے اور انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام۔ دوسری وہ ہے جن میں شر غالب ہے اور خیر مغلوب جیسے شیطان۔ خواہ وہ شیطان از قسم جن ہو یا از قسم انس اور تمام موذی جانور درندے جیسے شیر بھیڑئیے ریچھ وغیرہ یا گزندے یعنی سانپ بچھو گھیرہ وغیرہ

تیسری قسم وہ ہے جسمیں خیر و شر دونو موجود ہوں۔ لیکن کسی کے حق میں شر ہو جائے
کسی کے حق میں خیر جیسے مال و دنیا و اسباب و روپیے اور علم حسب و نسب اور دوسری
صنعتیں اور نسبتیں وغیرہ بھی یہی حکم رکھتی ہیں۔ اور ان دو قسموں میں جو شر موجود
ہے۔ اس سے پناہ اور جس میں بدی موجود نہیں ہے اس سے بدی کے نزدیک و قریب
ہوجانے سے پناہ۔ جیسے کہ عبادت کے لئے ریا اور سمعہ و دکھانا اور سنانا۔ ایمان کے لئے
نفاق اور انبیاء علیہم السلام کے لئے انکی تکذیب اور نافرمانی اور اولیاء اللہ کے
لئے ان کے انوار صحبت سے محروم رہنا از قسم شر ہے یا جیسا کہ بعض بزرگوں نے
کہا ہے۔ کہ عمل خیر میں تاخیر اور ڈھیل کرنا بھی اس کی شر ہے۔ ومن شر غاسق
اذا وقب اور پناہ مانگتا ہوں اندھیرے سے جب وہ سب پر چھا جائے۔ اندھیرا دو
طرح کا ہوتا ہے۔ ایک حسی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب رات ہو جائے تو اپنے بچوں
کو باہر نکلنے نہ دو۔ کہ وہ شیاطین کے منتشر ہونے کا وقت ہے۔ دوسرا معنوی اندھیرا۔ جیسے وہم
کا اندھیرا جو عقل کی نور پر غالب آکر اشیاء کی حقیقتوں کو نظر سے چھپا دیتا ہے اور
اسی کی شاخیں ہیں کفر کی شرک کی بدعت کی گناہوں کے برے اور بد اخلاقوں کی
بری صحبتوں کی اندھیریاں۔ غرضکہ ہر قسم کے اندھیروں سے پناہ۔

ومن شر النفثت فی العقد۔ ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں
پھونکتی ہیں۔ مراد ان سے وہ عورتیں ہیں جو گنڈوں وغیرہ کی گرہیں لگاتی ہیں۔ یا
فن جادو کو کرتی اور سیکھتی ہیں۔ شیطانوں اور دوسرے خبائث کے ناموں کو جپتی
ہیں۔ اور کلمات ناجائز سے توسل کر کے سحر یا اقسام سحر کے عمل کرتی ہیں اور ان
کا شر کئی قسم کا ہوتا ہے بلکہ کفر ہے۔ ان سے بچنا بھی چاہئے اور ان کے شر سے پناہ بھی
ومن شر حاسد اذا حسد اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد
کرے۔ یہ قید اسلئے لگائی ہے۔ کہ جب حاسد اپنے حسد کا اظہار کرتا ہے۔ حسد کہتے

زوال نعمت محسود کی۔ اذا حسد سے یہ مراد ہے کہ جب وہ حسد کو ظاہر کرے اور بموجب اپنے حسد کے عمل کرے اور محسود کے ساتھ شر کو قائم کرے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ حاسد سے زیادہ کوئی ظالم اور محسود سے زیادہ کوئی مظلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں حسد کی شر کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حسد اشر اور اشد ہے۔

سُوْرَةُ النَّاسِ نَزَلَتْ بِمَدِيْنَةٍ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ	تم کہو اے حبیب میں آدمیوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں آدمیوں کے بادشاہ، آدمیوں کے معبود کی خناس کے وسواس کے شر سے وہ جو لوگوں کے سینوں میں (فاسد خیالات قسم قسم کے بُرے) وسواس ڈالتا ہے۔ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے۔

تفسیر۔ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی، ابن زبیر کا شان نزول اس کا سورہ فلق کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ یہ دو سورتیں ساتھ نازل ہوئی ہیں اور ہر شر سے پناہ کے لئے اس سے بہتر تعوذ نہیں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قل۔ اعوذ برب الناس اے حبیب کہو کہ یوں کہو میں آدمیوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ اگرچہ اللہ کی پرورش سب

سب مخلوق کو شامل ہے مگر مانگنے والا چونکہ آدمی ہے اس لئے اسی پرورش کا یاد کرنا زیادہ مفید ہے جو اس کے حال پر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صفت ربوبیت اور پرورش انسان کے ساتھ بہ نسبت دوسری مخلوق کے ساتھ معلوم نہیں ہوتی اس واسطے کہ انسان کا وجود تمام عالم کا نمونہ اور جمیع کائنات کا خلاصہ ہے انسان کا وجود اور حیات علم اور قدرت اور شنوائی اور بینائی اور گویائی یہ رب حضرت الوہیت کی صفتوں کا پرتو ہے اور حرارت و برودت اور یبوست بدلنا ہے اربعہ عناصر کا پھر غذا اور نمو یعنی بڑھنے میں درختوں کی صفت سے مشابہ ہے اور حرکت اور خیالی لذت اور رنج پانے میں حیوانوں کی طرح ہے اور حیوانوں میں بھی ہر قسم کے حیوانوں کی صفتوں سے مشابہت رکھتا ہے مثلاً حرارت اور غصہ میں درندوں کی صفت سے مشابہ ہوتا ہے اور شہوت اور حرص میں چارپائے کی مکر و فریب اور حیلے دہوکے اور دہرے کی باتوں اور گناہوں اور نافرمانی کی باتوں پر رجھانے میں صفات شیطان سے مشابہ ہے اور خدا کی معرفت و عبادت اور طہارت میں مقرب فرشتوں کی صفات میں شامل ہے اور اس کے دماغ میں حکمتوں اور تدبیروں کا جمع ہونا لوح محفوظ کی مشابہت رکھتا ہے اور شاگردوں اور مریدوں کے دلوں پر اس کی بتائی ہوئی باتوں کا اثر ثابت ہونا اور قرار پکڑنا قلم اعلیٰ کے مشابہ ہے حاصل یہ کہ اگر انسان کے مرتبہ کی ابتدا یعنی حالت نطفہ سے انتہا یعنی مرتبہ ولایت و نبوت تک پر غور کیا جائے تو اس بیان پر اطمینان ہو سکتا ہے اور اس کی ربوبیت اور پرورش جیسی انسان کے ساتھ ہے دوسری مخلوق کے ساتھ نہیں معلوم ہوتی اس لئے تعوذ کے لئے اس صفت کا یاد کرنا مناسب ہے **مَلِكِ النَّاسِ** آدمیوں کے بادشاہ کی یعنی پناہ مانگتا ہوں۔ اس میں اس صفت کی طرف اشارہ ہے کہ آدمیوں کو روح تدبیر کرنے والی عنایت ہوتی ہے اور انسان کی حرکت کرنے والی اور تصرف کرنیوالی تمام قوتوں پر روح کو دخل اور تصرف دیا ہے تو گویا روح آدمی کے عالم جسم میں بادشاہ

ہے اور تمام بدن اس کا ملک آباد اور مدرکہ او محرکہ قوتیں اس کی فوج سو یہ سب اللہ تعالیٰ کے کارخانہ سلطنت میں ایک کارخانہ ہے اس لئے خدا کی اس صفت پادشاہت کے ساتھ تعوذ کرنا مناسب ہو. اِلٰهِ النَّاسِ آدمیوں کے بادشاہ کی یعنی پناہ مانگتا ہوں. اس صفت کے بیان کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت اور اس کے قرب حاصل کرنے کا شوق آدمیوں کی فطرت ہے یہ فطرتی شوق ہے کہ ہر گروہ انسان کا اسی شوق و جستجو میں مبتلا نظر آتا ہے اور یہ شوق اور گرفتاری اس کی انسان کے ہر گروہ کی اس کی معبودیت کے کرشموں میں ایک کرشمہ ہے اس لئے اس صفت کے ساتھ تعوذ کرنا مناسب حال انسان ہے اور ان تینوں صفتوں کی تفصیل اور ترتیب میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ آدمی کی تین حالتیں ہوتی ہیں. بچپن جوانی بڑھاپا. بچپن میں آدمی کا خیال اپنی پرورش کرنے والے تک محدود ہوتا ہے بھوک پیاس میں اسی کی طرف التجا کرتا ہے. اگر کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اسی کی طرف پناہ کے لئے دوڑتا ہے اسی سے فریاد کرتا ہے چونکہ اکثر بچوں کی پرورش کا تعلق ماں باپ سے ہوتا ہے. تو بچپن میں انسان ماں باپ کے سوا کسی کو نہیں جانتا جب جوان ہوتا ہے اور عقل آتی ہے تو دیکھتا ہے کہ ماں باپ بھی اپنی ضرورتوں اور روزی کی طلب اور دشمن کے خوف میں امرا اور بادشاہ کی طرف رجوع اور التجا کرتے ہیں. تو اس کو بھی یہ دیکھ کر امرا اور بادشاہ کے توسل کا شوق ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ بادشاہ اور امرا کا وجود کارخانہ انتظام کا سبب ہے اور جب ذرا آگے بڑھا اور عقل عاقبت اندیش دل میں کچھ گھر کیا. اور حقیقت الٰہی اور اس کی جلالت شان تک نظر نے رسائی کی. تو پھر معلوم کر لیتا ہے کہ بادشاہ اور امرا بھی عالم الغیب کی طرف محتاج ہیں. اور اپنی ضرورتوں اور حصول مقاصد کی غرض سے اسی کی بارگاہ میں التجائیں کرتے ہیں. اور اسی سے ہر وقت مدد مانگتے رہتے ہیں. تو جان لیتا ہے اس کے سب محتاج ہیں

اور پھر اپنے دل کے تعلق کو اس کی طرف بڑھاتا ہے یہاں ان تینوں صفتوں کے بیان کا یہ مطلب ہے کہ اگر بندہ بچے کا سا مزاج رکھتا ہے اور سوائے پرورش اور ربوبیت کے کچھ نہیں سمجھتا۔ تو یہ صفت بھی مجھ میں پوری ہے ماں باپ کی پرورش اپنی اولاد پر ہوتی ہے اور میری پرورش اور ربوبیت پر عام ہے۔ پس اے میرے بندے میری ہی طرف التجا کر کہ میں رب الناس ہوں۔ اور اگر بادشاہ اور سردار کی طرف تیرا خیال ہے۔ تو یہ صفت بھی مجھ میں کامل ہے تمام دنیا میں اور سب آدمیوں پر بلکہ تمام مخلوق پر میری ہی ہے اس صفت کے خیال سے بھی اے میرے بندے مجھی کو پکار اور مجھ ہی سے مدد طلب کر۔ اب یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ جو کہا۔ کہ میں پناہ طلب کرتا ہوں آدمیوں کے رب سے آدمیوں کے بادشاہ سے آدمیوں کے معبود سے تو اس جگہ کس چیز سے پناہ طلب کی ہے وہ یہ ہے مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ط خیال فاسد کے اثر کی برائی سے اور فساد کس طرح کا ہوتا ہے اور خیالات فاسد کس طرح نقصان پہنچاتے ہیں اول مزاج کو فاسد کر دیتے ہیں۔ دوسرے نفس کی تدبیر میں۔ تیسرے معرفت میں چوتھے عبادات میں پانچویں اللہ تعالیٰ کے قرب اور نزدیکی کے اسبابوں میں اور آدمی کو ابتدائے عمر سے انتہا تک یہی کام درپیش ہیں۔ جب ان میں خلل پڑا۔ تو اس کی عمر بھی برباد ہو گئی الخناس۔ خناس کے وسوسوں کے شر سے خناس اس کو کہتے ہیں جو دل میں وسوسہ ڈالے مگر دکھائی نہ دے معلوم نہ ہو۔ یہ صفت ہے وسواس کی اس کے صاحب کے اعتبار سے یعنی شیطان کی پیدائش ہی ہے کہ اپنا وسوسہ ڈالا اور الگ ہو گیا۔ اور چونکہ خارج میں اس کا کوئی وجود دکھائی نہیں دیتا۔ اس واسطے اس کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے اور اس کی بدی سے حفاظت کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ رب الناس کی جناب میں التجا کی جائے اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ وہ جو لوگوں کے سینوں میں فاسد خیالات قسم قسم کے برے وسواس ڈالتا ہے۔ خیالات فاسد

فاسد اور وسواس باطل کے لیے تخصیص سینے کی وجہ یہ ہے کہ برخلاف دوسرے اعضا
کے اس جگہ یہ وسواس نفس ناطقہ کے آثار حیوانیت سے مخلوط ہو کر فساد کے طور پر جلدی
قبول کر لیتے ہیں۔ اگرچہ قوت وہمیہ کے قوت عقلیہ کو تشویش میں ڈالنے سے دماغ میں
بھی فساد ہو سکتا ہے۔ مگر اس کا فساد نفس حیوانیہ کے بلند ہونے سے ہوتا ہے۔ علم حکمت کے
جاننے والے اس تخصیص کی حکمت کو خوب سمجھتے ہیں۔ مگر اس مختصر میں گنجائش نہیں
اب یہ ارشاد ہوا کہ یہ وسوسہ انداز خیالات فاسدہ اور توہمات باطل کا دلوں میں ڈالنے
والا برابر ہے مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۔ وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے
وسوسہ ڈالنے والے خیالات فاسدہ کے دل میں پیدا کرنے والے بُرے عقیدوں بد
اعتقادوں کے پھیلانے جن اور انسان دونو ہوتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے
وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ
إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیطان اور
آدمی رکھے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو ملمع کی فریب کی باتیں سکھاتے ہیں۔ ابوذر
کہتے ہیں کہ میں حضرت کے پاس حاضر ہوا حضور مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ میں بھی
بیٹھ گیا۔ حضور نے فرمایا اے اباذر تو نے نماز پڑھی ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا
اٹھ نماز پڑھ لے۔ میں نے اٹھ کر نماز پڑھ لی۔ پھر بیٹھ گیا۔ فرمایا اے اباذر تعوذ باللہ
من شر شياطين الإنس والجن یعنی اے اباذر پناہ مانگ اللہ کی شیطان
انس اور شیطان جن کی شر سے میں نے عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ کیا آدمی بھی شیطان
ہوتے ہیں۔ فرمایا ہاں ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ نماز کا کیا حال ہے
فرمایا خیر موضوع من شاء اقل ومن شاء اكثر یعنی ایک بہتر تجویز کی گئی ہے
جس کا جی چاہے کم پڑھے جس کا جی چاہے زیادہ میں نے عرض کیا روزہ کا کیا حال ہے
فرمایا فرض يجزى وعند الله مزيد یعنی ایک فرض ہے جو کفایت کرتا ہے اور اللہ

کے پاس بہت زیادہ ہے۔ میں نے عرض کیا صدقہ کا کیا حال ہے۔ فرمایا اضعافا مضاعفہ یعنی چند در چند ہے۔ میں نے عرض کیا کونسا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا باوجود عسرت و قلت کے دینا۔ اور چپکے سے دینا۔ میں نے پوچھا کہ حضور پر جو اترا ہے اسمیں افضل کیا ہے فرمایا آیۃ الکرسی۔ ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص حضور کے پاس حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ کہ میرے جی میں ایسی ایسی باتیں آتی ہیں۔ کہ اگر میں آسمان سے گر پڑوں تو اس سے بہتر ہے کہ ان باتوں کو منہ سے نکالوں فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر ردّ کیدہٗ الی الوسوسۃ یعنی اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے الحمد للہ کہ شیطان کے مکر کو وسوسہ کیطرف سے رد کر دیا۔ شیطان کے وسوسوں کا کوئی حد و حساب نہیں۔ بعض اوقات وہ نیکی کے اثناء میں بدی کی طرف ڈالدیتا ہے۔ بعض دفعہ چھوٹی سی نیکی مبتلا کر کے بڑی نیکی سے محروم کر دیتا ہے۔ مثلاً نوافل کی رغبت دلادی اور حلال روزی کمانے سے محروم کر دیا۔ یا خیرات کی رغبت دلائی اور ادائے حق سے محروم کر دیا یا عبادت کی رغبت دلائی اور نماز قضا کرادی وغیرہ وغیرہ صدہا ایسی باتیں ہیں جن میں شیطان چوٹ کر جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیطان نے کہا۔ تین وقت انسان میرے قابو میں بہت کم آتا ہے۔ ایک غصہ کے وقت۔ دوسرے جہاد کے وقت۔ تیسرے جب کوئی عورت و مرد کسی موقعہ پر تنہا ایک جگہ ہوں۔ اسی طرح معاملات تصوف میں اہل تصوف پر جس قدر یہ وسوسہ انداز ہوتا ہے اس کی انتہا نہیں۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اللھم سدّد قلوبنا بجاہ النبی الکریم ولا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا یا الٰہ العالمین اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ؎